

۲۵ فروری - ۴ مارچ ۱۹۸۱ء

ابھی میں کس طرح کہوں کہ انقلاب آگیا

مضمون اندر ملاحظہ فرمایئں

جدوجہد کا نیا دور

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۱۱ مارچ سے بڑے سائز پر شائع ہوگا

- سرورق رنگین ——— اور موجودہ مستقل عنوانات کے علاوہ
- الفتح انکشافات ، ظلم و تشدد کی سچی کہانیاں

ابراہیم جلیس ، شوکت صدیقی ، صفدر میر ، سابق ائیر کموڈور ایم کے جنجوعہ

افضل صدیقی (سابق نیوز ایڈیٹر جنگ)، منہاج برنا (سیکرٹری جنرل انجمن صحافیان پاکستان)،

اور ——— محمود شام

ہر ہفتے سیاسی اور بین الاقوامی حالات پر لکھیں گے

'الفتح' کے نئے دور میں ثقافت، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کھیل کی دنیا بھی شامل ہوں گے

سائز: ——— ۱۲ × ۹

قیمت یہی رہے گی

*

موجودہ سائز میں تبدیلی سے نو صفحات کا اضافہ ہوگا

*

مشتہرین اور ایجنٹ حضرات رجوع کریں

جنرل مینجر — ہفت روزہ الفتح — ۸۷-ڈی-نرسری کمرشیل ایریا، پی ای سی ایچ ایس، کراچی ۲۹

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد:— ۱ شمارہ:— ۴۱

٭

۲۵ فروری - ۴ مارچ ۱۹۷۱ء

نگرانِ اعلیٰ

شوکت صدیقی

٭

مدیر

ارشاد راؤ

٭

معاونین خصوصی

صفدر میر — منہاج برنا

ایم - کے - جنجوعہ

٭

مجلسِ ادارت

محمود شام - اشرف شاد - وہاب صدیقی

عکاس :— الطاف رانا

بحرین، کویت ——— ۶۰ فلس

دوبئی، قطر ——— ۵، درہم

سعودی عرب ——— ۱۵ قرش

انگلستان ——— ۲ شلنگ، ۶ پنس

اداریہ

شاہراہِ دوستی

شاہراہِ دوستی کے افتتاح سے پاک چین دوستی کے اٹوٹ رشتے بین الاقوامی سیاست میں اور نمایاں طور پر اُبھرے ہیں۔ ہمارے نزدیک جہاں یہ شاہراہ پاکستان اور چین کے عوام کے خلوص، محبت دونوں ممالک کی خوش حالی، سالمیت اور استحکام کی علامت ہے وہاں یہ امریکی اور روسی سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے خلاف دو عظیم قوموں کا متحدہ محاذ بھی ثابت ہو گی۔

چین بلاشبہ پاکستانی عوام کا ایک عظیم اور قابلِ اعتماد دوست ہے۔ عظیم رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ کی قیادت میں چینی عوام نے جس انداز میں مظلوم اقوام کی جدوجہدِ آزادی اور حقِ خود ارادیت کے حصول اور امریکی سامراج کی وحشیانہ یلغار کی روک تھام کے لئے بھرپور مدد کی ہے اس کے لئے عوامی جمہوریہ چین کو دُنیا بھر کے مزدوروں، کسانوں اور مظلوم طبقے نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں بھارتی توسیع پسندوں نے پاک سرحدوں پر جب جارحیت کا آغاز کیا تھا تب ہم نے دیکھا کہ چینی عوام نے اپنی سالمیت کو خطرہ میں ڈال کر بھارتی توسیع پسندوں کو للکارا۔ اِس موقع پر پاکستان کی حکومتوں نے جو دفاعی معاہدے مغربی ممالک سے کئے تھے، وہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔ امریکی سامراج نے پاکستان کا ساتھ دینے کی بجائے بھارتی توسیع پسندوں کی پیٹھ ٹھونکی۔ روسی سامراج نے پاکستان کے ساتھ

بدل اشتراک

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
مغربی پاکستان	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

خط و کتابت کے لئے

دفتر ہفت روزہ "الفتح"، ۸۰ ڈی - نرسری کمرشل ایریا - پی، ای، سی، ایچ، ایس - کراچی ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ ۔ مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد کراچی

مقام اشاعت : ۸۰ ڈی نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس - کراچی ۲۹

اس سے بھی گھٹیا اور بدترین سلوک کیا اور اعلانِ تاشقند کے ذریعے پاکستان کو سامراجیوں کا دباؤ قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ ہی امریکی سامراج کے لئے موت کا پیغام لے کر آئی۔ عوام کے دلوں میں امریکی اور روسی سامراج کے خلاف شدید نفرت نے جنم لیا اور پاک چین دوستی پروان چڑھی۔ اب شاہراہِ دوستی کھل گئی۔ دوستی کے اٹوٹ رشتوں میں نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ اس پر پاکستان کے عوام بہت خوش ہیں اور چینی عوام کو سلام محبت پیش کرتے ہیں۔

پاکستان پر بھارتی حملے کی سازش

بھارتی بزدل ایک بار پھر پاک سرزمین کی مقدس سرحدوں کے گرد و نواح میں جمع ہو رہے ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق توسیع پسندوں نے پرانا ہی میدانِ کارزار منتخب کیا ہے، لاہور اور سیالکوٹ۔ ہمیں یہ کہنے میں ہرگز باک نہیں کہ بھارت کو اس کے دونوں آقا امریکہ اور روس ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت پاکستان سے لڑانا چاہتے ہیں۔ وہ اکھنڈ بھارت کے ناپاک منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں لیکن انھیں یہ احساس دلانے کی اشد ضرورت پیدا ہو گئی ہے کہ اکھنڈ بھارت نہیں بن سکتا۔ پاکستان کی مقدس زمین کی ایک ایک انچ کی حفاظت کرنے والوں کی رگوں میں ایک غیور اور بہادر قوم کا خون دوڑ رہا ہے۔ جب تک ہمارے جسموں میں خون ہے۔ ہم اِسے اپنے ملک کو بچانے کے لئے جانوں کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اور جو قدم ہماری جانب بڑھیں گے انھیں قلم کر دیا جائے گا۔

بھارتی توسیع پسندوں کو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں جو مار پڑی تھی وہ بہت کم تھی۔ یہ اُس کی خوش قسمتی ہے کہ ایوب نے تاشقند میں سامراجیوں کا دباؤ قبول کر لیا۔ لیکن ہماری انتقامی آگ ابھی تک نہیں بجھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بھارت حملہ کرے اور اس کا جواب لے۔ حملہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھے کہ پاکستانی عوام نے نہ تو پہلے اعلانِ تاشقند کو قبول کیا تھا اور نہ آئندہ اس قسم کی گھناؤنی سازش کا شکار ہوں گے۔ ہم ہر جارحیت پسند کو منہ توڑ جواب دینے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور حملہ آوروں کے قبرستان بنانے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اس بار سامراجی فوجیں بھی بھارت کی مدد کو پہنچیں تو پاکستان اُن کو بھی دندان شکن جواب دے گا کہ وہ کمبوڈیا، ویت نام اور لاؤس کی مار کو بھول جائیں گی۔

سیالکوٹ، لاہور، تھرپارکر، ہیڈ سلیمانکی، قصور، برکی، ہڈیارہ اور پورے ملک کے عوام بھارتی توسیع پسندوں کے مقابلے کے لئے تیار ہیں۔ انھیں اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ ہے۔ ایک عظیم قوم بزدلوں کو یقیناً انجام تک پہنچا کر ہی دم لے گی چاہے اُسے ایک ہزار سال تک کیوں نہ جنگ لڑنا پڑے۔

پاکستان میں سامراجیوں اور اُن کے ایجنٹوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے وہ ان سازشوں کے ذریعے بھی اپنا تسلط برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ تاہم اگر وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں تو ہم پاکستان کو ویت نام بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اسے انڈونیشیا نہیں بننے دیں گے۔



بھٹو مجیب اعصابی جنگ ۲۸ فروری تک

وقائع نویس خصوصی

عوامی لیگ نے شیخ مجیب الرحمان کو مکمل اختیارات دے دیئے۔

پیپلز پارٹی کی پارلیمانی کانفرنس نے ذوالفقار علی بھٹو کو مکمل اختیارات دے دیئے۔

دونوں لیڈروں کا موقف یہ تھا کہ وہ اپنی پارٹی اور کارکنوں کے فیصلوں کے پابند ہیں۔ اب مفاہمت کا راستہ نسبتاً آسان ہونا چاہیئے۔ دونوں طرف سے اپنے اپنے موقف کی بھی مکمل تشہیر ہو چکی ہے پیپلز پارٹی کے ۶۰ مندوبین پر مشتمل پارلیمانی کانفرنس نے اپنا پانچ نکاتی مفاہمتی منصوبہ پیش کر کے گیند کو پھر عوامی لیگ کے کورٹ میں دھکیل دیا ہے

اِدھر مغربی پاکستان کے دوسرے لیڈر بھی شیخ مجیب الرحمان سے مل کر اپنے موقف کا اظہار کر چکے ہیں۔

صدر یحییٰ نے سیاسی صورتِ حال کے پیش نظر کابینہ توڑ دی ہے

یہ ساری صورتِ حال ایک بہت بڑے بحران کی غمازی کرتی ہے، جو بنیادی طور پر آئینی ہے، لیکن اس کے نتائج اقتصادی ہیں۔ ملک اقتصادی طور پر مکمل تباہی کے کنارے پہنچ چکا ہے۔ اس وقت کسی بھی طرح کی غیر نمائندہ اور غیر مستحکم حکومت کا قائم رہنا ملک کے لئے بے حد خطرناک ہے اور جو لوگ اس قسم کی خواہشات کا شکار ہیں انہیں اچھی طرح احساس ہے کہ انھیں کتنی بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ملک کی اندرونی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھارتی افواج کا اجتماع بھی تشویشناک ہے۔

پیپلز پارٹی کے پارلیمانی کنونشن میں اس صورتحال پر غور و خوض کیا گیا۔ اور مقررین نے چھ نکات، شیخ مجیب الرحمان کی سیاست، فوجی حکومت، بھارتی جارحیت کے تمام مضمرات پر تقریریں کیں۔ اس کنونشن میں اکثریت کا رُخ یہ تھا کہ پاکستان کی سالمیت کے پیش نظر چھ نکات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ چھ نکات کے سیاسی اور اقتصادی مضمرات کا مختلف مقررین نے مفصل طور پر جائزہ لیا۔ پیپلز پارٹی کی اکثریت چونکہ پنجاب سے ہے اور پنجاب کا چھ نکات کے بارے میں ردِّ عمل بالکل واضح ہے اور بھارتی فوجیں بھی پنجاب کی سرحدوں پر جمع ہیں۔ دوسرے صوبوں کے مندوبین کی ایک قلیل تعداد نے چھ نکات میں گنجائش نکالنے پر بھی زور دیا۔ کانفرنس کے پہلے روز زیادہ تر تقریریں شیخ مجیب الرحمٰن کی پالیسیوں پر

زیڈ۔ اے سلہری — پارلیمانی کانفرنس میں

پیپلز پارٹی کی پارلیمانی کانفرنس کا پانچواں اور آخری اجلاس عشائیے کے بعد دس بجے شروع ہوا۔ اس میں بھٹو صاحب کو افتتاحی تقریر کرنا تھی، پریس کی درخواست کے باوجود پریس والوں کو اس اجلاس سے بہت دُور رکھا گیا۔ اجلاس شروع ہونے کے چند لمحوں بعد سیکرٹری جنرل جے اے رحیم اور بھٹو صاحب کے دو جانشینوں میں سے ایک مصطفےٰ کھر کے درمیان معروف زمانہ زیڈ اے سلہری بند کمرے کے اجلاس کی طرف جاتے دکھائی دیئے۔ ورکرز بیچارے انھیں روک نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ دو بڑی شخصیتوں کی اوٹ میں جا رہے تھے۔ بند کمرے سے کئی گز دُور بیٹھا پر یس اس پر سخت مضطرب ہُوا۔ ورکرز کو معلوم ہُوا تو وہ بھی بپھر گئے کہ ایک وطن دشمن صحافی اس خفیہ اجلاس میں کیسے گھس گیا۔ حالانکہ یہ اجلاس صرف مندوبین کے لئے تھا۔ اسی اثنا میں سلہری صاحب کو ٹائیلٹ جانا پڑ گیا۔ ٹائیلٹ سے فارغ ہو کر واپس آتے تو گیٹ پر کھڑے ورکرز نے انہیں اندر جانے سے روک دیا۔ انھوں نے شور مچایا کہ "آپ پہچانتے نہیں، میں زیڈ اے سلہری ہوں" انھوں نے کہا کہ ہم پہچانتے ہیں تبھی تو اندر جانے سے روک رہے ہیں۔ انھوں نے ایک چٹ اندر بھجوائی۔ چٹ دیکھنے والے صاحب نے جو ایم این اے ہیں انھیں اندر بلوا لیا۔ پارٹی کے ترجمان حفیظ پیرزادہ سے اخبار والوں نے پوچھا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کر کے جان چھڑائی۔ حالانکہ یہ بہت سنجیدہ معاملہ تھا۔ پیپلز پارٹی کے بہت سے ذمہ دار افراد کو اس کا سر ؟ تو وہ بھی بہت شیٹ ہے۔

ہوئیں۔ لیکن دُوسرے روز مقررین کا رخ شیخ مجیب الرحمٰن کے علاوہ ایک اور بڑی طاقت کی طرف ہوگیا۔ اس کے مکمل کردار کو زیرِ تنقید لایا گیا اور کہا گیا کہ انقلاب کے راستے میں اصل رکاوٹ وہ ہے۔ بات سمیٹنے والوں نے کہا کہ ہم اس وقت اس قدر منظّم نہیں ہیں کہ دو محاذوں پر لڑ سکیں اس لئے اپنا رُخ ایک ہی طرف رکھیں۔ چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ عوامی لیگ اور ہمارے درمیان "اعصابی جنگ" چھڑی ہوئی ہے۔ پیپلز پارٹی کے تمام لیڈروں اور اراکین کو اس اعصابی جنگ میں حِصّہ لینا چاہیئے۔ انھوں نے پیپلز پارٹی کے پارلیمانی اور انقلابی دونوں رُخوں کی اہمیت بتائی اور کہا کہ الیکشن میں حِصّہ لینا — شیخ مجیب الرحمان سے بات چیت، لاہور، ملتان، کراچی، پشاور میں اراکینِ اسمبلی سے صلاح مشورہ یہ سارا پارلیمانی عمل تھا۔ اب انقلابی عمل کی بھی ضرورت پڑتی ہے"۔

اس کانفرنس میں فیصلہ یہی کیا گیا ہے کہ جب تک یہ یقین دہانی نہ ہو کہ آئین تمام صوبوں کی رضامندی پر بنے گا۔ اس وقت تک پیپلز پارٹی نیشنل اسمبلی کے اجلاس میں نہیں جا سکتی لیکن ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء تک کئی اہم تبدیلیوں کی توقع ہے ۲۱ فروری کا کراچی کا جلسہ اسی لئے ملتوی کیا گیا ہے۔ اس عرصے میں اعصابی جنگ اخباری بیانات کے ذریعے اپنے پُورے عروج پر پہنچے گی۔ چونکہ اب مکمل اختیارات دونوں لیڈروں کو مل چکے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی پارٹی سے دوبارہ مشوروں کے پابند نہیں ہیں۔ ذمہ داری تیسری طاقت پر چلی جاتی ہے۔ صدر یحییٰ مسٹر بھٹو سے حالیہ مُلاقات میں موجودہ صورتِ حال۔ آئندہ امکانات اور عوامی ردِ عمل پر مکمل بات چیت کر چکے ہیں صدر یحییٰ پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر ملک کی سالمیت کے خلاف کوئی آئین بنا اور جیسا کہ کہا جا رہا ہے کہ امریکہ پھر مشرقی پاکستان میں فوجی اڈے تعمیر کرنے کی فکر میں ہے۔ اگر امریکہ کے بارے میں ذرا برابر نرمی اختیار کی گئی تو محبِ وطن انقلابی ملک

باقی صفحہ ۴۰ پر

مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی امریکی سازش؟

کیا امریکہ مشرقی پاکستان کو ملک سے علیحدہ کرانا چاہتا ہے؟۔ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت جو نازک سیاسی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے تقریباً وہی ہے جس کا اظہار سی آئی اے کے خفیہ منصوبے میں کچھ عرصہ قبل کیا گیا تھا۔ اس خفیہ منصوبے کی تفصیلات "الفتح" میں آج سے چار ماہ قبل شائع کی جا چکی ہیں۔ ہم اس کی اہم تفصیلات ایک بار پھر پیش کر رہے ہیں۔ کیا وقت و تاریخ کی تبدیلی کے ساتھ سی آئی اے کی اس سازش پر عمل درآمد ہو چکا ہے؟

"مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے فیصلہ کُن عمل پر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔ ہر کارروائی، ہر اقدام پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہونا چاہیے۔ بین الاقوامی امداد اور تعاون قطعی اور یقینی ہے۔ امریکہ اس موقع پر بھارت، انڈونیشیا، برما، اور افغانستان کے ساتھ بھرپور تعاون کریگا

منصوبے کو آخری شکل دی جا چکی ہے۔ افغانستان اور مغربی پاکستان کے درمیان سرحدی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ سرحد کے قبائل میں بے چینی اور بے اطمینانی پھیل جاتی ہے۔ پاکستان اور بھارت کشمیر کے مسئلے پر ایک دوسرے سے الجھ جاتے ہیں۔ بھارت پاکستان پر حملہ آور ہوتا ہے ہندوستانی فوجیں مغربی پاکستان کے لئے سخت مشکلات پیدا کر دیتی ہیں افغانستان بھی تروتازہ ہو کر میدانِ جنگ میں آ جاتا ہے۔ مغربی پاکستان کے مختلف حصّے بھارت کے تسلّط میں آ جاتے ہیں۔

مغربی پاکستان کے لئے صورتِ حال نہایت مشکل ہو جاتی ہے لیکن بھارت مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کریگا۔ پروگرام یہ ہوگا

- وقت دس بجے صبح۔ تاریخ: ۱۰۔ اگست ۱۹۶۹ بنگال (مشرقی پاکستان) اپنی آزادی کا اعلان کرتا ہے۔
- وقت ۲ بجے صبح (تاریخ: ۱۱۔ اگست ۱۹۶۹ء) انڈونیشیا، امریکہ اور دوسرے دوست ممالک آزاد بنگال کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہوائی اڈے دھماکوں سے اڑا دیئے جاتے ہیں۔ غیر بنگالی فوجی افسروں اور ان کے آدمیوں کو غیر مسلح کر دیا جاتا ہے۔ فوجی اہمیت کے تمام اہم مقامات پر قبضہ کر لیا جاتا ہے
- ۶ بجے صبح (تاریخ ۱۱۔ اگست ۱۹۶۹ء) بنگالی لیڈر "بھارتی جارحیت" کا مقابلہ کرنے کے لئے غیر ملکی امداد مانگنے کی اپیل کرتے ہیں۔
- ۹ بجے صبح (تاریخ ۱۱ اگست ۱۹۶۹) دوست غیر ملکی فوجی دستے (مشرقی پاکستان میں) اتار دیئے جاتے ہیں اور باغیوں کے باقیہ کام کی تکمیل کرتے ہیں۔ امریکہ کے فوجی دستوں کے اترنے سے بین الاقوامی تصادم کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا مناسب ہوگا کہ کچھ، انڈونیشی فوجی دستے اتارے جائیں۔ اگر باغی خود ہی کامیابی حاصل کر لیتے ہیں تو انڈونیشی دستوں کا اتارنا ضروری نہیں؛ بہر حال اگر کسی غیر ملکی دستوں کا اتارا جانا ضروری ہو تو وہ صرف انڈونیشی فوجی دستے ہونے چاہئیں۔ اس طرح ایوب خاں کا اپنا پروپیگنڈہ بھی ہمارے حق میں مددگار ثابت ہوگا۔ عوام کو بتایا جائے کہ انڈونیشی فوجی ہمارے بھائی ہیں اور ہماری مدد کو آئے ہیں۔
- دونوں بازوؤں کے درمیان تمام راستے اور تمام رابطے منقطع کر دیئے جائیں اور جنگلوں اور گھر ٹیلوں میں مخالف قوتوں کی صفائی کا کام مکمل کر دیا جائے۔



پیپلز پارٹی کے بغیر

آئین کی گاڑی نہیں چلے گی

بھٹو نے بات چیت کا دروازہ کھلا رکھ کر کوئی سازش نہیں کی

افضل صدیقی

قومی اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کا اعلان ہونے کے بعد سیاسی حالات اس تیزی سے بدل رہے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کہی ہوئی بات چند لمحوں بعد برسوں پرانی لگتی ہے۔ میں قلم سنبھالتے ہی سوچ رہا ہوں کہ جو کچھ میں لکھوں گا وہ چار روز کے بعد آپ کی نظروں سے گذرے گا اور ان چار دنوں میں نہ معلوم کتنے طوفان سر سے گزر چکے ہوں گے۔ ممکن ہے شیخ مجیب صاحب جواب تک مسٹر بھٹو کے فیصلے پر دو ٹوک اظہار خیال سے گریز کر رہے ہیں کوئی دھماکہ کر بیٹھیں یا مغربی پاکستان چلے آئیں۔ ہو سکتا ہے صدر مملکت کچھ ارشاد فرمادیں۔ ہو سکتا ہے زرو جواہر لال کی بیٹی الیکشنی جوش میں ہوش گنوا بیٹھے اور اپنی شکست خوردہ سینا اور بھوک سے بلکتے عوام کو پاکستان کے خلاف جنگ کی بھٹی میں جھونک دینے کا اعلان کر دے۔ ممکنات کی بنیاد بڑی وسیع ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جو سیاسی چھٹ بھیئے بھٹو صاحب کو اب بھی آمریت کی پیداوار قرار دے رہے ہیں۔ چھ نکات کو ملک کی سلامتی کے لئے خطرناک اور خوفناک کہہ کر نکتہ نواز بن چلے جا رہے ہیں ڈھاں منڈی کا طواف کرنے بھاگے جا رہے ہیں۔ وہ ان چار دنوں میں نہ اپنی رائے تبدیل کریں گے نہ اپنا طرز عمل چھوڑیں گے۔ وہ خود سازشوں میں پلے بڑھے ہیں۔ بلکہ ان کی ولادت ہی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس لئے انہیں دوسروں میں بھی سازش کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ صدر مملکت اگر راتوں رات مسٹر بھٹو کو پنڈی مدعو کرتے ہیں اور دوسرے دن پانچ گھنٹے تک ان سے قومی اور آئینی مسائل پر تبادلہ خیال کرتے ہیں تو وہ اسے بھی سازش سمجھتے ہیں۔ چھ نکات میں مناسب رد و بدل کے بعد مسٹر بھٹو قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کرتے ہیں تو یہ بھی سازش ہے۔ شیخ الرحمٰن سے ملاقات کرنے میں پہل کریں تو سازش اور افہام و تفہیم کا دروازہ کھلا رکھیں تو سازش۔ گویا معقولیت کی ہر بات ان ایسی بیر بہوٹیوں کے نزدیک سازش ہی ہے۔ اور یہ جو ڈھاکہ کے پھیرے پر پھیرے لگ رہے ہیں ملاقاتیں اور کانا پھوسی ہو رہی ہے۔ اور بیانات کی توپیں سرکی جا رہی ہیں یہ معقولیت ہے۔ معاملہ فہمی ہے سیاسی بصیرت ہے۔ وقت کا تقاضا ہے۔ واہ وا سبحان اللہ

کہاں سے نکالا کہاں کا مواد

سردار شوکت، نوزخاں، سردار بگٹی، شاہ احمد نورانی

جی ایم سید سے بہت پہلے مسٹر بھٹو ڈھاکہ جا کر شیخ مجیب سے کئی ملاقاتیں کر چکے ہیں۔ وہ جب واپس آئے تو کئی دن تک انہوں نے اس کا انتظار کیا۔ کہ شاید شیخ مجیب اپنے موقف پر نظر ثانی کر لیں۔ اپنے رویہ میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لیں۔ وہ مفاہمت کی خاطر اتنے آگے چلے گئے کہ انہوں نے عوامی لیگ کے چھ نکات میں سے دو اور طلبا کے گیارہ نکات میں سے دس فوراً تسلیم کر لئے۔ اور باقی نکات پر شیخ مجیب کو دوبارہ غور کرنے کی دعوت دی۔ انہیں بڑا بھائی تسلیم کیا اور خود چھوٹے بن گئے۔ تو انہوں نے کیا برا کیا۔ بے نقط سیاست میں جب "کچھ لو اور کچھ دو" کا اصول چلتا ہے اور نکتہ دار سیاست میں یہ اصول کیوں نہیں چل سکتا۔ اور جب مسٹر بھٹو یہ کہتے ہیں کہ ملک میں ہم صرف تین طاقتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ پہلی عوامی لیگ۔ دوسری پیپلز پارٹی اور تیسری فوج۔ تو کیا غلط کہتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے عوامی لیگ کو مقدم رکھا ہے۔ مگر ساری گڑبڑ یہ ہے کہ چھ نکاتی سیاست میں "دو ہی دو" ہے "دو لو" ہے ہی نہیں۔ مسٹر بھٹو براہ راست بات چیت کے ذریعہ شیخ مجیب سے مفاہمت کے لئے اب بھی تیار ہیں۔ مگر مسٹر مجیب اپنی جگہ سے ایک انچ سرکنے کو آمادہ نہیں۔ اب مسٹر بھٹو جانیں یا شیخ مجیب یا پھر جنرل یحییٰ خاں۔ کوئی چوتھا شخص جو تین میں نہ تیرہ میں" ان میں مفاہمت کرانے کا ٹھیکہ نہیں لے سکتا۔ دولتانہ صاحب پہلے اپنی پارٹی میں تو ہم آہنگی پیدا کر لیں سردار

بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد کے سوال پر سمجھوتہ نہیں ہوسکتا

شوکت حیات کچھ کہتے ہیں۔ نور خاں کچھ کہتے ہیں۔ گر جسٹس لاری بھی تو کچھ کہتے ہیں۔ ان کی بھی تو سنو۔ اور اگر چھ نکات تسلیم ہی کرنے تھے تو الیکشن سے پہلے کئے ہوتے۔ مگر دامیں بازو کی ہر پارٹی نے اپنی الیکشنی مہم کی بنیاد ہی چھ نکات اور سوشلزم کی مخالفت پر رکھی تھی۔ اس کا خمیازہ بھگت لیا تو پھر اقتدار میں حصہ بٹانے کے لئے عوام کو نئے سرے سے بیوقوف بنانا شروع کر دیا۔ مگر اب عوام بھیڑ بکریوں کے ریوڑ نہیں رہے کہ جدھر ہنکاؤ گے ادھر چلے جائیں گے۔ وہ یہ سارے داؤں پیچ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ انہیں اپنے وطن کی سلامتی زیادہ عزیز ہے۔ خاص طور پر مغربی پاکستان کے عوام یہ خوب سمجھتے ہیں کہ وہ مکار دشمن بھارت سے گھرے ہوئے ہیں۔ سرحدوں کی صورت حال نازک ہو رہی ہے۔ وہ ایسے عالم میں بندر بانٹ کا تماشا دیکھنا نہیں چاہتے۔ کہ ہر صوبہ الگ الگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر بیٹھ جائے۔ اور اپنے اپنے اختیارات کو ترازو میں تولنے لگے اس ترازو میں جس کا پاسنگ کبھی برابر نہیں رہا۔ انہوں نے اپنی اپنی قسمتیں پیپلز پارٹی کو سونپ دی ہیں اور پیپلز پارٹی وہی سوچتی ہے جو عوام سوچتے ہیں۔ عوام نے پیپلز پارٹی پر اعتماد کیا ہے تو وہ بھی انہیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔ یہی سیاسی پیران تسمہ پا جو مسٹر بھٹو کو گالیاں دیتے تھے کہ وہ اقتدار کے بھوکے ہیں انہیں عوام کی بہبود سے کوئی غرض نہیں۔ وہی اب اقتدار کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ مسٹر بھٹو نے حکومت پر قبضہ جمانے یا وزیر اعظم بننے کے لئے انتخاب نہیں لڑا تھا۔ ورنہ وہ ڈھاکہ جانے سے پہلے ہی چھ نکات کو من و عن تسلیم کرنے کا اعلان کر دیتے۔ مگر چھ نکات کے بارے میں اب بھی وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو پہلے کہہ رہے تھے۔ اب صرف فرق اتنا ہوا ہے کہ ان کی پارٹی ملک کی دوسری بڑی اکثریتی پارٹی بن کر سامنے آئی ہے پیپلز پارٹی کی حیثیت ملک کا کاروبار چلانے کے معاملہ میں عوامی لیگ سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے۔ کیا یہ سب کچھ عوام نہیں دیکھ رہے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ کون ان کا ہمدرد اور بہی خواہ ہے اور کون اقتدار کی خاطر ان سے منہ موڑ رہا ہے۔

مسٹر بھٹو کے ڈھاکہ سے واپس آنے کے بعد ہی مشرقی پاکستان سے بیانات آنے لگے کہ آئین بنے گا تو چھ نکات ہی پر بنے گا۔ کسی نے تعاون نہ کیا تو نہ سہی۔ عوامی لیگ تنہا آئین بنانے کی طاقت اور اختیار رکھتی ہے۔ یہ اٹل ارادہ دیکھ کر مسٹر بھٹو نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہونگے تو انہوں نے مغربی پاکستان کے عوام کی امنگوں کی ترجمانی کی تھی۔ عوام یہ کب چاہیں گے کہ وہ انہیں بھارتی حملہ کے خطرہ میں گھرا ہوا چھوڑ کر ایک نئے بنائے آئین پر دستخط کرنے چلے جائیں۔ عوام بھارت اور کشمیر کے بارے میں پیپلز پارٹی کے موقف سے باخبر ہیں۔ یہ موقف وہی ہے جو پاکستان کی کسی بھی محب وطن حکومت کا ہوسکتا ہے۔ یہاں کے عوام یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ بھارت کا حملہ ہوا تو اب پھر مغربی پاکستان ہی کی سرحدوں پر ہوگا۔ مشرقی پاکستان پر نہیں جہاں کی اکثریتی پارٹی کے قائد نے بھارتی طیارہ کی تباہی کی مذمت کر کے بھارتی حکمرانوں کی ہمنوائی کی ہے۔

مسٹر بھٹو نے تو پہلے بھی اپنے فیصلہ کا اعلان کرتے وقت کہا تھا اور اب صدر یحییٰ خاں سے راولپنڈی میں پانچ گھنٹے کی بات چیت کے بعد بھی یہی کہا ہے کہ عوامی لیگ کی طرف سے اگر یہ یقین دلایا گیا کہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں پیپلز پارٹی کے نقطۂ نظر پر بھی غور کیا جائے گا تو پیپلز پارٹی کے اراکین اسمبلی اجلاس میں شرکت کر لیں گے۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ آئینی بحران کے حل کی کوئی صورت نظر آئی تو وہ پھر شیخ مجیب الرحمٰن سے ملنے کو تیار ہیں۔ بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد پر سمجھوتہ کیسے ہوسکتا ہے۔ البتہ کرنسی اور ٹیکس لگانے کے صوبائی اختیارات کے بارے میں کوئی حل تلاش کیا جا سکتا ہے جو عوامی لیگ کے لئے قابل قبول ہو۔ مشکل یہ ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن قوم پرستی کے مدعی ہوتے ہوئے جب بات کرتے ہیں تو بنگلہ دیش۔ بنگلہ زبان۔ بنگلہ کلچر اور بنگالیت کی ضرورت کی بات کرتے۔ قومی نصب العین کی پرچھائیاں ان کی تقریروں اور بیانات میں نظر نہیں آتیں۔ ایسی صورت میں مغربی پاکستان کے عوام کے دلوں میں جو خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مگر بعض سیاسی شعبدہ باز ان خدشات کو پس پشت ڈال کر یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ مسٹر بھٹو نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ انہیں آئین سازی میں حصہ لینے کے لئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں جانا چاہیئے۔ اگر ان کی بات نہ مانی جائے اور کوئی بنا بنایا آئین مسلط کرنے کی کوشش کی جائے تو اس وقت وہ اجلاس سے واک آؤٹ کر جائیں۔ گویا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اجلاس میں بحث و تکرار ہو۔ تلخی بڑھے۔ اور وقت ضائع کرنے کے بعد وہی کیا جائے جو آب مسٹر بھٹو نے کیا ہے تو اس سے حاصل کیا ہوگا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اختلافی آئینی مسائل اکثریتی پارٹیاں اجلاس سے پہلے ہی طے کر لیں۔ دوسروں کو قاعدے قوانین اور اخلاقی ضابطوں کا درس دینے والے فی الحال اپنی کھال میں مست رہیں۔ مسٹر بھٹو ذہنی تحفظات کے ساتھ اجلاس

چھ نکات

سیاست میں

"دو ہی دو" ہے

"لو"

ہے ہی نہیں

عوام اب سارے داؤں پیچ اچھی طرح جان گئے ہیں

میں شرکت پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ وہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔

آئین سازی کے معاملہ میں پیپلز پارٹی کو نظر انداز کرنے کا حوصلہ کسی میں مشکل ہی سے پیدا ہوگا۔ اگر ایسا ہوا اور چھ نکات کی بنیاد ہی پر آئین بنایا گیا تو اس سے قطع نظر کہ صدر مملکت اس کی توثیق کریں گے یا نہیں۔ یہ بات عام لوگوں کو ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اس قسم کے آئین کی رو سے دفاع اور امور خارجہ کو چھوڑ کر سارے اختیارات صوبوں کے پاس ہوں گے۔ چھ نکات کی اصل روح یہی ہے یعنی کمزور فیڈریشن اور کمزور ترین مرکز۔

چھ نکاتی آئین دنیا کی موجودہ وفاقی مملکتوں امریکہ، آسٹریلیا، کناڈا، سوئٹزرلینڈ وغیرہ کی دساتیر کی طرح نہیں ہوگا۔ جن میں مالیات، بیرونی تجارت اور کرنسی جیسے اختیارات مرکز کو سونپے گئے ہیں۔ وفاقی یونٹوں کو نہیں۔ یہاں اقتصادی امور میں مرکز کو زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اور کہیں کہیں ان میں فرق بھی ہے۔ جیسا کہ سوئٹزرلینڈ اور کناڈا میں بنکاری پر مرکزی حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے۔ لیکن امریکہ اور آسٹریلیا میں بنکاری پر کنٹرول مرکزی حکومت اور وفاقی یونٹوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اگر پاکستان کا آئین چھ نکات پر بنایا گیا تو پاکستان پھر کنفیڈریشن ہوگا۔ فیڈریشن نہیں۔ کیونکہ اس میں وہ خصوصیات ہی موجود نہیں ہوں گی جو دنیا کے قدیم وفاقی دساتیر میں پائی جاتی ہیں۔

یہ درست ہے کہ عوامی لیگ اکثریتی پارٹی ہے اور اسے کسی مرحلہ پر بھی اپنی مرضی کا قانون وضع کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی۔ پھر بھی مجیب صاحب مرکز کو کمزور رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ مغربی پاکستان پھر کبھی مشرقی پاکستان پر مسلط نہ ہو جائے۔ جیسا کہ وہ اکثر کہتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں یہ پریشانی بھی ہے کہ انہوں نے اپنی پسند کا قانون اگر قومی اسمبلی میں منظور کرا لیا تو ہو سکتا ہے اس سے مغربی پاکستان خاص طور پر پنجاب اور سندھ کے عوام برہم ہو جائیں۔ ان کے نزدیک مرکز مضبوط ہوا تو بدستور مغربی پاکستان کا اثر زیادہ رہے گا۔ کیونکہ فوج اور دیگر سروسوں میں مغربی پاکستانیوں ہی کی اکثریت ہے۔ لیکن وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ مرکز میں اگر عوامی لیگ نے حکومت بنائی تو اس کے پاس اختیارات ہی کتنے رہ جائیں گے۔ اور عوامی لیگ مغربی پاکستان کے صوبوں میں اپنی پالیسیوں پر عمل درآمد

شیخ صاحب بھارت سے دوستی کرنا چاہتے ہیں

کس طرح کرا سکے گی۔

شیخ صاحب بھارت سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں ان کے عزائم یہ ہیں کہ بھارت سے آزادانہ تجارت ہو۔ ویزا سسٹم ختم کر دیا جائے۔ اسکالروں کے تبادلے ہوں۔ دونوں ملکوں کے درمیان ثقافتی سرگرمیاں بڑھائی جائیں۔ اگر ان مقاصد کو پہلے پورا کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا۔ اور یہی وہ بات ہے جسے مغربی پاکستان کے عوام ماننے کو تیار نہ ہوں گے۔

اسی طرح جب مجیب صاحب دفاعی اخراجات پورے کرنے کے لئے مغربی پاکستانیوں پر ٹیکسوں کا بوجھ لادیں گے۔ دفاعی اور سول سروسوں میں مشرقی پاکستانیوں کا کوٹہ بڑھائیں گے تو کیا یہ اقدام مغربی پاکستانیوں کے لئے موجب برہمی نہیں بنے گا؟ شیخ مجیب مرکز کو اس لئے کمزور رکھنا چاہتے ہیں کہ مغربی پاکستان کے صوبوں سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کی طرف سے انہیں کم سے کم مخالفت کا سامنا کرنا پڑے۔ کمزور مرکز ہی کے ذریعہ عوامی لیگ صوبوں میں اپنی پالیسیوں پر عمل کرا سکے گی۔ اور وہ یہ بھی سمجھتی ہے کہ مرکز کمزور ہونے سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے استحصال اور تسلط سے نجات ملی رہے گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ چھ نکاتی آئین سے صوبوں کو کافی حد تک خودمختاری مل جائے گی۔ لیکن اس کے نقصانات کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟....

مرکز یونٹوں کا محتاج رہے گا۔ سرکاری مشینری اور دفاع کے اخراجات پورے نہ ہو پائیں گے کیونکہ کوئی بھی وفاقی یونٹ جسے اخراجات کی مد سے اختلاف ہو، مرکز کو اپنی آمدنی کا حصہ دینا بند کر سکتا ہے۔ مرکزی حکومت کسی بیرونی ملک سے تجارتی یا کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتی۔ اس ڈر سے کہ کوئی یونٹ اس کی مخالفت پر کمربستہ نہ ہو جائے۔ اس طرح مرکز مستقبل کے لئے کوئی پروگرام تیار کرنے سے معذور رہے گا۔ خارجہ پالیسی کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر کسی صوبے کی حکومت نے کسی بیرونی ملک سے تجارتی بات چیت کی تو اس کا یہ اقدام مرکز کی وضع کردہ خارجہ پالیسی سے متصادم ہو سکتا ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ بھارت کے ساتھ ہمارے کیسے مراسم ہیں۔ کوئی صوبہ اگر بھارت کی جارحیت کے باوجود اس سے تجارتی روابط استوار کرنے کی کوشش کرے تو کیسی عجیب صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ کون فیصلہ کرے گا کہ کسی بیرونی ملک سے کسی

صوبے کے تجارتی تعلقات مرکز کی خارجہ پالیسی کے دائرہ کار کے مطابق ہیں یا نہیں۔ وفاقی نظام میں عام طور پر مرکز اور صوبوں کے درمیان اختلافی معاملہ کا فیصلہ سپریم کورٹ کرتی ہے۔ مگر پاکستان میں ہر لحظہ بدلتے ہوئے سیاسی مسائل پر سپریم کورٹ کیسے کوئی فیصلہ صادر کر سکتی ہے۔ اور پھر اگر صوبوں کو بیرونی تجارت کا اختیار مل گیا تو پھر بڑی طاقتوں کو ان صوبوں کے معاملوں میں اپنی ٹانگ اڑانے کی کھلی چھٹی مل جائے گی۔ وہ صوبوں کو بھاری امداد دے کر مرکز سے ان کو علیحدہ کر سکتی ہیں۔ اس نوع کی خود مختاری کیا ملک کی سلامتی اور قومی یکجہتی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے؟

علاوہ ازیں صوبوں کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگا کہ وہ جتنا زرمبادلہ کمائیں ان کا حساب الگ الگ رکھیں۔ یہ مسئلہ بھی مرکز اور صوبوں کے درمیان نزاع کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر کوئی صوبائی حکومت مرکز کی تجویز کردہ کسی خرچہ کی مد کو منظور یا پسند نہ کرے تو وہ اس مد کے لئے اپنے زرمبادلہ میں سے مرکز کو حصہ کیونکر دے سکتی ہے؟

اس لئے مسٹر بھٹو ان نکات میں مناسب ردو بدل پر زور دے رہے ہیں۔ کرنسی اور ٹیکسیشن کے معاملات کا تو ایسا حل تلاش کیا جا سکتا ہے جو عوامی لیگ کے لئے قابل قبول ہو۔ مگر عوامی لیگ بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد کے صوبائی اختیارات میں کمی پر تیار ہیں۔ ایسی صورت میں سمجھوتہ کس طرح ممکن ہے۔ اب اگر بھٹو صاحب نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں ان مسائل پر لڑنے جھگڑنے سے بہتر ہے کہ اجلاس میں جانے سے پہلے ہی ان متنازعہ فیہ معاملوں کا تصفیہ ہو جائے تو کیا برا کیا ہے۔ صدر مملکت سے مسٹر بھٹو کی طویل بات چیت کے بعد کراچی میں پیپلز پارٹی کی پارلیمانی کانفرنس ہو رہی ہے تادم تحریر یہ کانفرنس جاری ہے الفتح کا یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے سے پہلے اس کانفرنس کے نتائج آپ کے سامنے آ چکے ہوں گے یہی نتائج پیپلز پارٹی کے مستقبل کے پروگرام کی نشاندہی کریں گے۔ ...

: محمد ظفر قریشی

غزل

جفاکارو ستم سے باز آؤ
لہو پینے کی باتیں بھول جاؤ

تمہارے حال پر ہم رو رہے ہیں
ہمارے حال پر تم مسکراؤ

تمھیں اب بند کمرے کچھ نہ دیں گے
نکل کر اب کھلے میدان میں آؤ

بہت تلوار نے جوہر دکھائے
زمانہ کہہ رہا ہے — مان جاؤ

ہمارا دین و ایمان ہے سلامت
تم اپنے دین و ایمان کو بچاؤ

عوامی فیصلے — زندہ حقیقت
عوامی فیصلوں پر سر جھکاؤ

●

جامعہ کراچی میں
"اسلامی انقلاب" کی داستان

ساون کے اندھوں کو جامعہ ہری نظر آرہی ہے

اشرف شاد

جامعہ کراچی میں اسلامی انقلاب آگیا۔ سوشلزم ہار گیا۔ روس وچین ہار گئے۔ امریکہ جیت گیا —— امریکہ زندہ باد۔ بلکہ —— تھینک یو امریکہ —— تھینک یو وی سی! کہ پوری جامعہ سبز ہو گئی ہے —— ساون کے ہر اندھے کو —— ہر طرف —— ہرا ہی ہرا نظر آرہا ہے۔ —— یہ سبزی جامعہ کے وی سی —— اشتیاق حسین قریشی۔ ان کے ہمراہیوں میجر آفتاب احمد، ڈاکٹر عزیز، ڈاکٹر یحییٰ، ڈاکٹر لقائی، ڈاکٹر منظور، ڈاکٹر رؤف، ڈاکٹر اشرف، ان کے کئی نائبین اور دوسری بچہ پارٹی المعروف بہ "اسلامی جمعیت طلبہ" کو بہت پسند ہے۔ اتنی پسند ہے کہ استاد استاد کے مرتبہ سے گر جاتا ہے۔ بچہ پارٹی اپنے جامے سے باہر آجاتی ہے۔ سبز پسندوں کے خفیہ اجلاس ہوتے ہیں۔ فیصلے ہوتے ہیں۔ سازشیں ہوتی ہیں۔ بچہ پارٹی کے ہاتھ میں ڈنڈے، پتھر، چھرے اور دستی بم آجاتے ہیں۔ وہ ان سے کھیلتے ہیں۔ اٹھکیلیاں کرتے ہیں۔ سرخ پسندوں کے سر کھول کر —— ان سے سرخ رنگ کی مائع باہر نکالتے ہیں —— اور نعرہ لگاتے ہیں سبز ہے سبز ہے، جامعہ سبز ہے۔ سبز رنگ کی کسی جیپ میں بیٹھے ہوئے میجر آفتاب اپنے ہونہار بچوں کے چکنے چکنے پات دیکھ کر بڑی شفقت سے مسکراتے ہیں۔ وی سی اپنے بند کمرے کی چلمن سے کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح ایک ادا کے ساتھ جھانکتے ہیں۔ پھر سب کچھ ٹھیک ٹھاک دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ اور اپنی آنکھ سیدھی کرنے کی مشق میں مصروف ہو جاتے ہیں —— !

۱۸ فروری کے خون آشام دن کے بعد چاروں طرف سے ایک شور سنائی دیا۔ این ایس ایف کے جامعہ کراچی یونٹ کے سربراہ افتخار چودھری نے چشم دید گواہی دی کہ حادثے کے وقت میجر آفتاب بیاسی کی ایک گاڑی میں بیٹھے حملے کی کمانڈ کر رہے تھے۔ این ایس ایف ایک دوسرے گروپ کے رہنما عبدالباری نے انکشاف کیا کہ اس دن بیاسی، نیشنل پیپر میڈ ریشن کی گاڑیاں غنڈے ڈھو کر لا رہی تھیں۔ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے تنویر زیدی نے بتایا کہ جامعہ کی مسجد میں جمعیت طلبہ نے مار کٹائی کا سامان پہلے سے جمع کر کے رکھا تھا اور پھر ۱۸ فروری کو جامعہ کے سینکڑوں لڑکوں نے اپنی آنکھوں سے جمعیت کے طلبہ کے فاتحین کے جلوس میں ڈنڈوں پر لگے ہوئے چاقو لہراتے دیکھے۔ اس کے بعد مسجد سے پتھروں کی آتی ہوئی بارش بھی دیکھی۔ مسجد کو مورچہ بنا کر فاتحین نے مفتوحین پر پتھروں سے گولہ باری کی۔ دستی بموں کی بورش کی۔ شاید اسلامی انقلاب کے داعیوں کے لئے یہ روایتیں اسلامی تاریخ کے محققین ڈاکٹر امیر حسین صدیقی یا مولانا منتخب الحق نے وضع کر کے دی ہیں۔ جماعت کے طفل بچے ان روایتوں کے واقعی اچھے امین ہیں۔

لوگوں نے ڈاکٹر لقائی کو بھی دیکھا جو چھوٹی چھوٹی داڑھی والے لڑکوں کی پشت پر ہاتھ پھیر کر ان کی ہمتیں بڑھا رہے تھے۔ انہیں پتھر پھینکنے اور لاٹھیاں چلانے کا حوصلہ دے رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی جامعہ کے ایک اور استاد کی زبانی، جن سے اسی روز شام میں ہماری ریڈیو پاکستان میں ملاقات ہو گئی تھی۔ ۱۸ فروری کی کہانی کچھ اس طرح تھی۔

"ہم (اساتذہ) اب اس غنڈہ گردی کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کر سکتے۔ اپنی عزت، اپنا وقار، اپنی جانیں ہم اس غنڈہ گردی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے۔ ہم اپنے تحفظ کی ضمانت مانگتے ہیں۔ جیتنے والوں نے اس روز جس رویہ کا مظاہرہ کیا ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان لوگوں نے جیتنے کی خوشی میں (VICTORY PROCESSION) نکالا۔ جو مسلح تھا اور اس دوران میں اپنے مخالفین کو پکڑ کر پیٹا۔ ایک آزاد صدارتی امیدوار کو ان کے ہاتھوں سے پٹتا اور خون میں لہولہان میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہینڈ گرینیڈ اس دوران جس طرح استعمال کئے گئے اس کے بعد ہمارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اپنے تحفظ کی ضمانت حاصل کئے بغیر کلاسوں میں نہ جائیں۔"

۸ فروری کے ہنگامے کی جو پوری روداد ہمیں حاصل ہوئی ہے وہ کچھ یوں ہے کہ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے بینر تلے جامعہ کے طلبہ کی اکثریت نے اعلان کیا تھا کہ وہ ۱۹ فروری تک وائس چانسلر کو نوٹس دیتے ہیں۔ اس کے بعد خواہ ہم جیتیں یا ہاریں ہم وی سی کو جامعہ کی حدود میں قدم نہیں رکھنے دیں گے۔ ۱۶ فروری کو انتخابات کا جو نتیجہ نکلا وہ وی سی اور انتظامیہ کے روایتی حربوں کے پس منظر میں واضح تھا۔ جیتنے کے فوری بعد اسلامی جمعیت طلبہ نے غنڈہ گردی کی کارروائیوں کا افتتاح کر دیا تھا۔ (انتخابات کے ضمن میں اس کا تفصیلی ذکر ہم آگے کریں گے) ۱۹ فروری کے اس الٹی میٹم کو ناکام بنانے کے لئے انتخابات کے دوسرے روز بدھ ۱۷ فروری کو ہنگامہ اور مار دھاڑ کا پروگرام پہلے سے تیار

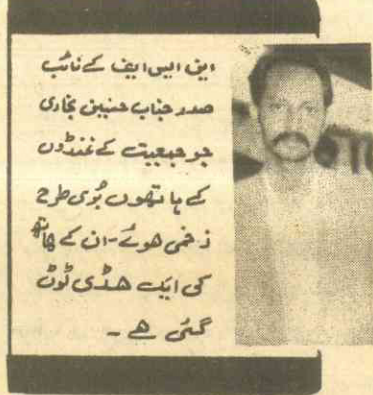
جامعہ کی مسجد میں اسلحہ کا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا

کیا گیا تھا۔ بدھ کے دن جمعیت کے سرگرم کارکنان تمام دن اپنی کارروائیوں میں مصروف رہے اخبارات کے مختلف دفاتر میں جا کر انہوں نے اپنے اپنے متعین لوگوں سے ملاقات کی۔ انہیں صورت حال سمجھائی۔ جسارت کے ایک فوٹوگرافر کی اس سلسلے میں صبح سے ڈیوٹی لگا دی گئی تھی کہ وہ اپنے مطلب کی تصاویر لے کر ساری کارروائیوں کا الزام این ایس ایف پر رکھنے کے ثبوت فراہم کرنے کا بندوبست کرے۔

جامعہ کراچی میں اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم محمد افضل ہاسٹل میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے کمرے میں لاٹھیاں۔ دستی بم اور دوسری ضرر رساں اشیاء کا ذخیرہ بدھ کی رات کو جمع کر لیا گیا تھا۔ ہوسٹل میں رہنے والے بعض لڑکوں نے اس پر اسرار نقل و حرکت کو محسوس کیا اور پرووسٹ کو اطلاع دینے کے لئے تلاش کیا۔ لیکن وہ نہیں مل سکے۔ جمعیت طلبہ کو یہ اطلاع ملی تو سارا سامان صبح ہی صبح جامعہ کراچی کی مسجد میں منتقل کر دیا گیا۔ طلبہ کی شکایت پر ہوسٹل کی تلاشی کا کام پرووسٹ نے جمعرات ۱۸ فروری کے ہنگامے کے بعد رات کے وقت کیا — لیکن سارا سامان پہلے ہی منتقل کیا جا چکا تھا۔ اس سے وہاں سے کچھ برآمد نہیں ہو سکا۔

جمعرات ۱۸ فروری کی صبح جمعیت نے "فاتحین" کا جلوس نکالا۔ اس جلوس میں یونیورسٹی کے طلبہ کے علاوہ بڑی تعداد این ای ڈی کالج کے لڑکوں کی تھی جبکہ جماعت مودودی کی ذیلی تنظیموں پیاسی اور نیشنل لیبر فیڈریشن کی جیپیں اپنے مسلح غنڈوں کو لئے ہوئے سڑک کے کنارے کھڑی تھیں تاکہ کسی بھی ہنگامی موقع پر چھاپہ ماری کا کام کر سکیں۔ این ایس ایف کے افتخار چوہدری نے ایک مرتبہ چھپتے چھپاتے میجر آفتاب کو بھی اس میں سے ایک جیپ کے قریب سرگوشیوں میں مصروف دیکھا اس کے بعد ہی انہوں نے پولیس کو اعلانیہ طور پر یہ بیان دیا کہ میجر آفتاب نیشنل لیبر فیڈریشن کی گاڑی میں موجود تھے۔ جمعیت کے جلوس میں مسلسل اشتعال انگیز نعرے لگتے رہے۔ جلوس ختم ہونے کے بعد جب جلسہ ہوا تو اس میں بھی اس قسم کی تقریریں ہوئیں۔

اس دوران میں جمعیت کے مخالف ایک آزاد امیدوار سعید ملک کے ایک پرجوش حامی اقبال لطیف کو کسی بات پر جمعیت کے لڑکوں نے گھیر لیا اور انہیں مارنا شروع کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سعید ملک فوری طور پر وہاں آئے۔ اقبال لطیف کو مارنے والے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ مارنا چاہتے ہیں تو انہیں ماریں۔ اس لئے


این ایس ایف کے نائب صدر جناب حسنین بخاری جو جمعیت کے غنڈوں کے ہاتھوں بُری طرح زخمی ہوئے۔ ان کے ہاتھ کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔

جمعیت کی مخالفت میں انتخاب لڑنے کا گناہ ان سے سرزد ہوا ہے۔ جمعیت کے ان طلبہ نے انھیں بھی گھیر لیا۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی انہیں بھی لہولہان کر دیا۔

اس تصادم کی اطلاع این ایس ایف کے لڑکوں تک بھی پہنچی جو شعبۂ صحافت سے منسلکہ کاریڈور میں اجلاس کر رہے تھے۔ این ایس ایف کے اس اجلاس میں بڑی تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں شامل تھیں۔ وہ اپنا جلسہ ختم کر کے سعید ملک اور اقبال لطیف کو بچانے کے لئے دوڑ پڑے۔ اور انہیں جماعتی غنڈوں سے بمشکل چھڑانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے فوری بعد ہی پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت ہنگاموں کا وہ طوفان آیا جو شاید جامعہ کی تاریخ میں سب سے زیادہ ہولناک تصور کیا جائے۔ جمعیت کے طلبہ نیشنل بنک اور مسجد میں پہلے سے بنائے ہوئے مورچوں میں ڈٹ گئے۔ تقریباً ہر ایک کے ہاتھ میں ایک آدھ لاٹھی دیکھی گئی۔ بعض لاٹھیوں پر چاقو باندھ کر انہیں نیزے کی صورت دے دی گئی تھی۔ مسجد سے ہونے والے پتھراؤ کی زد میں ہر ایک آیا۔ وہ لڑکے لڑکیاں بھی جو این ایس ایف یا سعید ملک کے حامی نہیں تھے۔ اور محض اپنی فیسیں چکانے کے لئے آئے تھے۔ اور وہ لڑکیاں بھی جنھوں نے اس سے قبل کبھی اپنے گھر پر پنکھے کی ایک ڈنڈی بھی نہ کھائی ہو — این ایس ایف کے لڑکوں کا کوئی غول کہیں بڑھتا دکھائی دیتا تو اسی لمحے ایک دستی بم اس کے قریب آ کر پھٹتا۔ اور یونیورسٹی میں انتخابات کے دن سے جمعیت نے فتح کا جشن منانے کے لئے دھماکوں کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے بعد سے پوری یونیورسٹی میں بموں کے دھماکوں اور دھوئیں کی بادشاہت نظر آتی تھی۔ جمعیت کے اس پتھراؤ سے گرلز کامن روم، کینٹین کی ساری کھڑکیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ جو رہی سہی کسر تھی وہ ان کی لاٹھیوں اور ڈنڈوں نے پوری کر دی —

یہ ہنگامہ ایک طویل عرصہ تک جاری رہا — اور اس میں ہماری نہیں بلکہ روزنامہ حریت کی اطلاع کے مطابق پچاس سے زائد طلباء و طالبات زخمی ہوئے۔

این ایس ایف کے لڑکوں کی جرأت و ہمت اس موقع پر قابل تحسین تھی۔ ان کے کسی لڑکے یا لڑکی نے سنگ و خشت کے اس سیلاب سے گھبرا کر جامعہ چھوڑنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ غنڈہ گردی کے اس سیلاب کے آگے آخر وقت تک ڈٹے رہے۔ اتنی منظم دہشت گردی کے باوجود وی سی کے خلاف ان کا مظاہرہ جاری رہا۔ کئی سو

باقی صفحہ ۴۲ پر

غریب ہاکر کی خودکشی پر اخباروں کے مگرمچھ "جنگ" کے آنسو

وہ ظلم وستم پر مکمل اجارہ داری چاہتے ہیں

ابراہیم جلیس

پچھلے دنوں کراچی میں ایک غریب اخبار فروش نوجوان مسمی محمد انور نے پولیس والوں کے ناقابلِ برداشت مظالم سے تنگ آکر تھانے کے عین سامنے پولیس والوں اور ہزاروں راہگیروں کی موجودگی میں اپنے آپ کو آگ لگا کر خودکشی کر لی۔

اخبار فروش ہاکر اخبارات کا سب سے بڑا محسن ہوتا ہے۔ جہنم کی گرمی ہو یا قطبِ شمالی کی سردی موسلا دھار بارش ہو یا ہلاکت خیز طوفان۔ غریب ہاکر علی الصبح اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر گھر گھر دنیا بھر کی خبریں پہنچاتا ہے۔ غریب ہاکر اگر اخبارات گھر گھر نہ پہنچائیں تو یہ عالی شان کوٹھیوں میں رہنے والے، شاندار کاروں میں گھومنے والے اور دیس دیس کے مفت سفر پر فلک بوس ہوائی جہازوں میں اڑنے والے مالکان اخبار کے ہاتھوں میں کاسۂ گدائی آجائے اور وہ بھیک مانگنے کے لئے سڑکوں پر آجائیں کہ:

"ایک روٹی ایک کپڑا۔ دے خدا کے نام پر"

اخبار فروش یوں تو ہر اخبار کا محسن ہوتا ہے لیکن جتنا بڑا اخبار ہوگا، اخبار فروش اس کا اتنا ہی بڑا محسن ہوگا۔ مثال کے طور پر اخبار" جنگ" پاکستان کا سب سے کثیر الاشاعت اخبار صرف اس لئے ہے کہ ہاکر صاحبان اسے زیادہ سے زیادہ تعداد میں بیچتے ہیں۔ آپ چاہیں یا نہ چاہیں ہاکر صاحبان آپ کو اخبار جنگ پڑھواتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے کہا:

"میں اخبار جنگ پڑھنے پر اس لئے مجبور ہوں کہ صبح جلدی بستر سے نہیں اٹھ سکتا۔ ہاکر ہے کہ علی الصبح اخبار پھینک کر چلا جاتا ہے۔ مجبوراً پڑھنا پڑتا ہے۔ پھر بھی میں بڑی احتیاط برتتا ہوں کہ گھر کی عورتوں کے دیکھنے سے پہلے اس فحش اخبار کا سنسر ضرور کر لیتا ہوں مثلاً اسی عید الاضحیٰ کے مقدس دن اس فحش اخبار نے دوبئی میں (پاکستانی؟) طوائفوں کی ایک بڑی تصویر ایسی شائع کی تھی کہ (پاکستانی؟) طوائفیں اپنی کوٹھڑیوں کے دروازوں پر کھڑی فحش اشاروں سے راہگیر عرب بدوؤں کو دعوتِ گناہ دے رہی ہیں۔ میں نے اخبار سے وہ تصویر اور خبر کاٹ کر علیحدہ کر دی۔ اب پتہ نہیں کہ اس اخبار نے پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے وہ تصویر اور خبر شائع کی ہے یا طوائفوں کے ذریعے اشاعت بڑھانے کے لئے۔ کیوں کہ طوائف کی نہ کوئی قومیت ہوتی ہے اور نہ وطن۔ بہرحال جب تک ہاکر ہمیں اخبار دیتے رہیں گے، ہم یہ اخبار پڑھنے پر مجبور ہیں۔ ہر چند کہ اب یہ اخبار شریف گھرانوں میں پڑھنے کے قابل نہیں رہا"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ہاکر صاحبان یہ اخبار نہ بیچیں تو اس کی ایک کاپی بھی نہ بک سکے۔ بالخصوص گذشتہ سال اپریل (۱۹۷۰ء) یعنی باضمیر عامل صحافیوں کی ہڑتال کے بعد جب اخبار جنگ پر سرمایہ داروں، مخالفینِ پاکستان اور عوام دشمن اسلام پسندوں کا مکمل طور پر قبضہ ہوگیا تو عوام نے اس اخبار کو بھی نفرت سے ٹھکرا دیا تھا۔ مگر ہاکروں نے اس مرتے ہوئے اخبار کو زندگی دی۔

اس اعتبار سے ہاکر محمد انور بھی جنگ کا مسیحا اور بڑا محسن تھا۔

لیکن پاکستان کے غریب عوام کے دشمن اور محسن کش اخبار جنگ نے اپنے مسیحا اور محسن محمد انور کی شہادت جیسی موت کو نہایت غیر اہم انداز میں پچھلے صفحہ پر صرف تین انچ سنگل کالم میں دبا کر شائع کیا، اور اسی اخبار کے صفحہ اوّل پر اس نے کراچی کے ہوائی اڈے پر پکڑی جانے والی "دس ہزار روپے کی چرس" کی خبر دو کالمی نہایت نمایاں طور پر شائع کی۔ حالانکہ کراچی اور پاکستان کے دوسرے سارے اخبارات نے (جنھیں ہاکر بہت کم بیچتے ہیں) اپنے صفحات اوّل پر ظلم کے ہاتھوں اس عبرت ناک موت کی خبر سیاہ ماتمی چوکھٹوں میں شائع کی۔ اس مظلوم کی موت پر اداریئے اور کالم لکھے لیکن اخبار جنگ کے بھٹو دشمن "قلمکار" — اپنے محسن و مسیحا محمد انور کا ماتم کرنے کی بجائے "کراچی کے مودودی" ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی حمایت میں قائدِ عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کی مذمت میں اپنے ناپاک قلموں کا گندا لاوا اخبار کے صفحات پر بکھیرتے رہے۔

جب اخبار فروشوں اور عوام سب کی طرف سے تھو تھو ہونے لگی تو "جنگ" کے مالک میر خلیل الرحمٰن نے اپنے خاص الخاص "چمچے" یوسف صدیقی (ایگزیکٹو ایڈیٹر) کو ہدایت کی کہ فوراً محمد انور کی موت پر ایک "ایڈیٹوریل نوٹ" لکھواؤ۔

"لکھواؤ" اس لئے کہ یوسف صدیقی بیچارا لکھنا کیا جانے۔ وہ تو صرف کالم نویسوں اور دیگر مضمون نگاروں کے مضامین کتابت کے لئے دینے، کاپی جڑوانے اور میر صاحب کے آگے صرف "جی حضور" کہنے کا تقریباً دو ہزار روپیہ ماہوار "وظیفہ" پاتا ہے اور اس کے علاوہ اس نے کالم نویسوں، سب ایڈیٹروں، رپورٹروں، کلرکوں، فوٹو گرافروں حتیٰ کہ چپراسیوں تک سے اپنا "مہینہ یا ہفتہ بار" نذرانہ باندھ رکھا ہے کہ ہر مہینہ، ہر ہفتہ یا ہر روز اتنے روپے دو، مجھے شراب پلاؤ ورنہ نوکری کی خیر مناؤ۔ اس کے علاوہ جماعت مودودی اور ربلے کے سوار جیسے

اخبار فروشی "جنگ" کی ریڑھ کی ہڈی بنے ہوئے ہیں

سرمایہ داروں سے منہ مانگا روپیہ الگ بندھا ہوا ہے۔

قصہ مختصر۔ یوسف صدیقی نے ایک اداریہ نویس کو ہدایت کی۔ اداریہ نویس نے غیر ارادی طور پر ایسا اداریہ لکھا کہ عامل صحافیوں پر جنگ کی انتظامیہ کی زیادتیوں اور مظالم اور اخبار جنگ کے مظلوم "محمد انوروں" کے نام بھی بین السطور آ گئے۔

اداریہ نویس نے مظلوم محمد انور کے بارے میں تمہیدی کلمات لکھنے کے بعد اس کی موت پر یوں دکھ ظاہر کی۔

"(محمد انور) کے لئے عزت نفس اور خودداری کے ساتھ حلال طریقے پر روزی کمانے کے ہر دروازے کو بند کیا جاتا رہا۔ اُسے طرح طرح کی زیادتیوں اور اذیتوں کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔"

اب اداریہ نویس کے ان جملوں میں محمد انور کے نام کے ساتھ جنگ کی انتظامیہ کی طرف سے بے روزگاری کے دشت میں دھکیلے جانے والوں کے نام شامل کرکے اِن جملوں کو پھر سے پڑھئے۔

"محمد انور، افضل صدیقی۔ محمود شام، ظفر رضوی، اجمل دہلوی، عبدالحمید چھاپرا۔ سید وجاہت علی۔ وہاب صدیقی۔ رشید رستم قلم، تصویب الحسن، عبدالحفیظ، اور ابراہیم جلیس وغیرہ وغیرہ کے لئے عزتِ نفس اور خودداری کے ساتھ حلال طریقے پر روزی کمانے کے ہر دروازے کو بند کیا جاتا رہا۔ انھیں طرح طرح کی زیادتیوں اور اذیتوں کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔"

اس کے آگے اداریہ نویس پھر لکھتا ہے:

"ہمارے معاشرے میں یہی ایک محمد انور نہیں۔ ایسے بہت سے محمد انور ہیں جو روز ہی زیادتیوں اور مظالم کو سہتے ہیں۔"

بیچارہ اداریہ نویس مجبور نہ ہوتا تو وہ بہت سے "محمد انوروں" کے نام بھی تحریر کر دیتا یعنی

"ہمارے معاشرے میں یہی ایک محمد انور نہیں ایسے بہت سے محمد انور ہیں مثلاً ظفر رضوی، محمود شام، افضل صدیقی، اجمل دہلوی، سید وجاہت علی، عبدالحمید چھاپرا۔ وہاب صدیقی، ظہیر ریاض، الطاف رانا، تصویب الحسن، عبدالحفیظ، ابراہیم جلیس وغیرہ وغیرہ"

اس کے بعد اداریہ نویس ظالموں اور مظلوموں کی یوں نشان دہی کرتا ہے۔

"معاشرے میں دو طبقے ہیں۔ ایک وہ جو دن رات مظالم کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔"

(غالباً اداریہ نویس ان عامل صحافیوں کا تذکرہ کرنا چاہتا تھا جو صحافیوں کی پہلی جنگِ آزادی اپریل ۱۹۷۰ء میں سرمایہ دار مالکان اخبار کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے)

پھر اداریہ نویس دوسرے طبقے کا ذکر کرتا ہے:

"دوسرا طبقہ وہ جو مظالم کرتا ہے، لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتا ہے۔ جن کا ضمیر اس قدر مجرم اور سیاہ ہو گیا ہے کہ اس پر درد میں ڈوبی ہوئی کوئی فریاد اور زیادتیوں کے نیچے کراہتے ہوئے انسانوں کی کوئی تڑپ اثر نہیں کرتی۔"

بیچارے اداریہ نویس میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ ظالموں کی فہرست میں جنگ، پی پی آئی، مشرق، مارننگ نیوز، امروز، پاکستان ٹائمز، کوہستان، جسارت، زندگی اور اردو ڈائجسٹ وغیرہ کے مالکان کے نام لکھ سکے۔

پھر جنگ کے اداریہ نویس نے حکومت کو اس کا فرض یاد دلایا ہے کہ:

"حکومت غیر جانبدارانہ عدالتی تحقیقات کے ذریعے ان تمام ظالموں کو منظر عام پر لائے جنھوں نے محمد انور (ا) اور سارے محمد انوروں کے لئے زندگی اجیرن کر دی تھی۔ اور یہ معلوم کرے کہ یہ باعزت شہری کس جرم میں مارا گیا

حکومت کو اس بات کی بھی باقاعدہ تحقیقات کروانی چاہئے کہ بے روزگاری اور مہنگائی کے اس دور میں جو لوگ حلال طریقوں سے کچھ کما کر اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں (غالباً محمود شام افضل صدیقی، ظفر رضوی، اجمل دہلوی، وجاہت علی وہاب صدیقی، عبدالحمید چھاپرا۔ ظہیر ریاض۔ الطاف رانا، تصویب الحسن، عبدالحفیظ، اور ابراہیم جلیس وغیرہ) ان پر کس کس طرح کی زیادتیاں کی جاتی ہیں اور انہیں کیسے کیسے تنگ کیا جاتا ہے۔"

آخر میں جنگ کا مگرمچھ اپنے اداریے میں یوں آنسو بہاتا ہے۔

"یہ طبقہ ہماری ہمدردیوں کا مستحق ہے اس کے روزگار کے تحفظ اور اسے بہتر سہولتیں فراہم کرنے کی ضرورت ہے، حلال کی کمائی کی سہولتیں اور مواقع زیادہ سے زیادہ فراہم کئے جائیں اور لوگوں کو مظالم سے بچایا جائے۔"

(اس اداریئے کو پڑھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ) جنگ اخبار سے زبردستی علیحدہ کئے گئے بعض اخبار نویس جنگ کے دفتر پر پہنچے تو نہایت شرم و حیا کے ساتھ اُن سے کہا گیا۔

"آپ لوگ برسوں اس اخبار سے منسلک رہے کیا آپ لوگوں کو اتنا بھی علم نہ ہو سکا کہ اخبار جنگ کی پالیسی ہی یہ ہے کہ "لکھو کچھ اور کرو کچھ" بھئی ہماری پالیسی یہ ہے کہ خود ظلم کرو — دوسرے کو ظلم نہ کرنے دو۔"

گویا "صحافت" کے علاوہ اخبار جنگ "ظلم و ستم" پر بھی صرف اپنی اجارہ داری چاہتا ہے۔

واہ رے بڑے اخبار —!

وہ خوشنویس واقعی مبارک باد کا مستحق ہے جس نے جنگ کے بارے میں "بڑے" اخبار کے بجائے "برے" اخبار لکھا اور اپنی بات پر ڈٹا رہا کہ:

"یہ نہ کتابت کی غلطی ہے اور نہ معنی و مفہوم کی غلطی۔ بلکہ یہ تو کتابت کی تصحیح ہے اور اظہارِ حقیقت ہے"

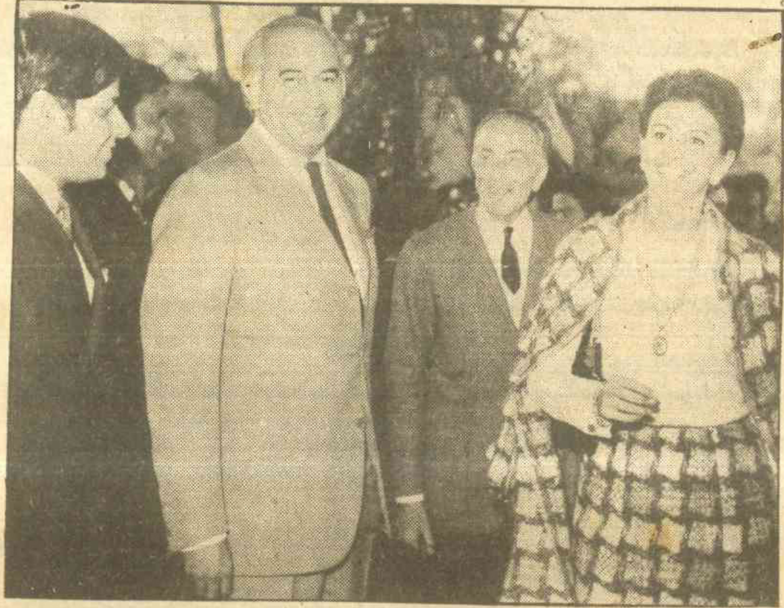
کراچی سے ڈھاکہ - ۳

تحریر:— محمود شام —— فوٹو:— الطاف رانا

ڈھاکہ میں ہارون، آدم جی، بھیم جی اور ولیکا کے صاحبزادے کی موجودگی بے معنی نہ تھی



یہ مسکراہٹ صرف پریس کے لئے تھی



فرانس کے سفیر اور ان کی بیگم سے اتفاقی ملاقات

آج شیخ مجیب الرحمٰن کو انٹرکانٹی نینٹل آنا تھا۔ بھٹو صاحب نے اپنے ساتھ آنے والے ارکانِ اسمبلی اور لیڈروں کو مجیب صاحب سے ملوانے کے لئے انٹرکون کے کوریڈور میں قطار میں کھڑا کر دیا تھا۔ چار بج کر ستّرہ منٹ پر بھٹو صاحب پہنچ گئے۔ شاید مجیب صاحب کا فون آچکا تھا کہ وہ چل پڑے ہیں۔ بھٹو صاحب نے فرداً فرداً سب سے باتیں کیں گھڑی دیکھی اور لوگوں سے باتیں کرتے رہے۔ اتنی دیر میں فرانس کے قونصلر اپنی بیگم کے ہمراہ آئے۔ وہ انٹرکون میں کسی سے ملنے آئے تھے وہ بھٹو صاحب کو ملے بھٹو صاحب نے مذاقاً کہا کہ "دیکھئے میری پارٹی کے لیڈر تمہارے استقبال کے لئے کھڑے ہیں"۔ شیخ صاحب ابھی نہیں آئے تھے۔ انٹرکانٹی نینٹل کے باہر کچھ لوگ بھٹو صاحب کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ بھٹو اپنے ساتھیوں سے بات کرتے کرتے اچانک ان لوگوں کی طرف چل پڑے اور دیوار کے اس طرف سے کھڑے ہو کر انھوں نے لوگوں کو سلام کیا، مزاج پوچھا۔ لوگوں نے کہا "آپ ایسا کام کریں کہ لوگوں کا کاروبار شروع ہو۔ غریبوں کی بھلائی کے لئے کچھ کریں"

بھٹو نے جواب دیا: "انشاء اللہ کریں گے۔ ہم سوشلزم اسی لئے لا رہے ہیں" پھر ان لوگوں سے کہا "ہم کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان ایک رہے، آپ بھی یہی چاہتے ہیں" لوگوں نے بآواز بلند کہا "ہاں" بھٹو نے کہا "ہاتھ اٹھا کر جواب دیں" سب نے ہاتھ اٹھا کر



مغربی پاکستان - مشرقی پاکستان کے لئے صف بستہ

"غریبوں کا پاکستان ایک رہے گا۔ بھٹو کا مشرقی پاکستانیوں سے عہد

سرمایہ داروں کے پیغام رساں ٹٹل کاک بنے ہوئے تھے

نعرہ لگایا "ایک پاکستان" بھٹو نے پوچھا "میں اگر ڈھاکہ سے کھڑا ہوں تو کیا آپ مجھے کامیاب کرا دیں گے" عوام نے کہا "کیوں نہیں، آپ پورے پاکستان کے لیڈر رہیں"۔ اس کے بعد بھٹو "جیئے بنگلہ" کا نعرہ لگاتے ہوئے سلام کرتے ہوئے لوٹے۔ ۴-۳۴ پر مجیب صاحب تشریف لائے۔ بھٹو صاحب نے فرداً فرداً اپنے لیڈروں سے تعارف کرایا۔ ۴-۴۰ پر مجیب اور بھٹو ۱۱۳۴ منٹر کانسٹی ٹیوشنل میں داخل ہوئے۔ پھر بات چیت ۴-۴۶ پر شروع ہوئی۔ میں اور نظام صدیقی دروازے کے آگے دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ بھٹو صاحب کا خادم خاص نور محمد بھی وہیں موجود تھا۔ ہم کچھ دروازے کی درزمیں سے سننے کی فکر میں تھے لیکن ڈھاکے کے فوٹو گرافروں کی فوج ظفر موج کو ہماری یہ ادا پسند نہ آئی۔ انھوں نے کچھ اندر خانے طے کر کے شور مچایا کہ سب رپورٹر نیچے چلیں گے۔ یہاں کوئی بات نہ کرے، سب رپورٹر حضرات نیچے تشریف لے جائیں۔ ایک صاحب چادر اوڑھے آئے۔ انھوں نے کہا "میرے لیڈر کا یہ حکم ہے کہ رپورٹر یہاں بات نہ کریں۔ یہاں صرف ٹی۔ وی والے اور فوٹو گرافر رہیں گے۔" میں نے کہا "کون سے لیڈر کا یہ حکم ہے" کہنے لگے "یہاں صرف ایک ہی لیڈر ہے" میں نے کہا "یہ حکم غلط ہے، صحافی کی حیثیت سے ہمیں یہاں رہنے کا حق ہے۔" نظام صدیقی نے زور دیا: "آج تک جرنلسٹوں نے تو لیڈر بنائے ہیں مگر کسی لیڈر نے کوئی جرنلسٹ نہیں بنایا۔ دنیا کے کسی کونے میں کوئی لیڈر جرنلسٹ پر ایسی پابندی نہیں لگا سکتا۔" پھر میں نے ان صاحب سے یہ بھی کہا کہ دھمکی دینے کی کوئی بات نہیں، جرنلسٹ تو

۱۱۳۴ انسٹر کانسٹی ٹیوشنل میں بات چیت کے دوران بھٹو نے دو ٹوک موقف اختیار کیا

اپنے فرض کی ادائیگی کے دوران اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔" اب ان صاحب کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا اور وہ بے بس ہو کر چلے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ صاحب خود کو شیخ مجیب الرحمان کا پرائیویٹ سیکرٹری بتاتے ہیں۔ خیر اس بات چیت میں خاصا وقت گزر گیا لیکن اس دوران میں کبھی کبھی جو آواز اونچی سنائی دی، وہ کچھ اس قسم کی تھی۔ یہ الفاظ مربوط نہیں ہیں۔ ویسے اس میں بھٹو زیادہ تر بولے۔

بھٹو: "اگر آپ شیخ صاحب چھ نکات پر بضد رہے گر تو آپ بھی تباہ ہو جائیں گے اور ہم بھی۔ ہمیں ملک کی سلامتی اور اتحاد کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جو میرے خیال میں آپ کو بھی اتنا ہی عزیز ہے، جتنا کہ مجھے"

مجیب: "ضد کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ میری پارٹی کا موقف ہے اور مجھے اس میں تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب تک میں اپنی پارٹی اور کارکنوں سے بات نہ کرلوں۔"

بھٹو: "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی پارٹی اور کارکنوں کے بغیر کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں ....

.... شیخ صاحب خدا کے لئے ٹھنڈے دل سے دوبارہ سوچئے اور اس قسم کی حرف زنی نہ کریں۔ ہم دونوں اس وقت دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ....

اگر ہم واقعی سوشلزم لانا چاہتے ہیں تو ہمیں کہیں نہ کہیں مفاہمت کرنا ہوگی۔ تبھی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں

ان کے اندر کا یہ جو لہجہ تھا یہی بعد میں بھی جاری رہا۔ جب ۵-۵۰ پر دروازہ کھلا تو دونوں کے چہروں پر پریشانی اور تذبذب کے آثار تھے۔ جب انھوں نے اخبار والوں کے جواب دینے شروع کئے تو ان میں بھی وہی کاٹ تھی۔

مجیب: "ہم اپنی بات جاری رکھ رہے ہیں۔ ہم نے مسائل پر بات کی ہے، لیکن ابھی بہت مسائل ہیں جن پر بات ہوگی۔"

بھٹو: "کل دھان منڈی میں پانچ بجے شام بات کریں گے۔"

مجیب: ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ



سوشلزم کے لئے مفاہمت ضروری ہے، ورنہ تباہی لازمی ہے

ملک کا دستور بنانے کے سلسلے میں جو رکاوٹیں بھی ہیں انھیں دُور کرکے آئین سازی کی طرف بڑھ سکیں۔

بھٹو: میں ۳۰ جنوری کو واپس جا رہا ہوں، پھر بھی جب ضروری ہُوا یہاں آسکتا ہُوں۔ کل ۹:۳۰ بجے میں طوفان زدہ علاقوں میں جا رہا ہُوں۔

بھٹو (صحافیوں سے) "کیا آپ مطمئن ہو گئے؟"

صحافی: "نہیں"

مجیب: "خدا کرے، ویسے ہم کچھ حد تک مطمئن ہیں"

بھٹو: "شیخ صاحب مجھ سے زیادہ جوان نظر آرہے ہیں"۔

صحافی: "بھٹو صاحب آپ بھی کل کی نسبت زیادہ شگفتہ دکھائی دے رہے ہیں"۔

بھٹو: کل اپنے بہنوئی کے انتقال کے باعث میں رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ یہ مشن زیادہ اہم تھا اس لئے میں نے اپنا آنا ملتوی نہ کیا۔

اس کے بعد چلنے لگے تو ٹی وی نے درخواست کی کہ ہمارے لئے خاص طور پر کچھ دیر پوز کریں۔ اس پر بھٹو کہنے لگے: "یہ چاہتے ہیں کہ ہم "اداکاری" کریں"۔

مجیب: "دنیا ایک اسٹیج ہے، ہر شخص اداکار ہے"

بھٹو: جن لوگوں نے اچھی اداکاری کی وہ کامیاب ہوئے اور جو اچھی اداکاری نہ کر سکے وہ ناکام رہے"

مجیب: "یہ اداکاری نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ عوام نے ہمارے پروگرام کو ووٹ دیا ہے۔ جھٹلایا کو نہیں"۔

بھٹو: "میرا یہی مطلب ہے کہ ذمہ داری عظیم تر ہے"

مجیب: "ویسے مسٹر بھٹو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں"۔

بھٹو: "اگر میں خوبصورت ہُوں، تو پھر آپ کو کچھ رعایت دینی چاہیے۔

اس کے بعد دونوں ہنستے ہُوئے چل پڑے اور چلتے چلتے شیخ صاحب کہنے لگے "کل ہمیں زیادہ اہم نکات پر بات کرکے مذاکرات ختم کرنے چاہئیں"۔ مسٹر بھٹو نے اتفاق کیا اور نیچے جاکر انھیں رخصت کر آئے۔

انٹرکون ڈھاکہ پاکستان کے مستقبل کی آماجگاہ بنا ہُوا ہے۔ ساری سیاست یہیں سمٹ آئی ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار یہیں براجمان ہیں۔ آدم جی، ہارون، انشورنس کمپنیوں کے مالکان بھیم جی۔ سیٹھی۔ نیشنل بنک آف پاکستان نے بھی اسی مناسبت سے اپنی میٹنگ رکھ لی ہے۔ اس کے تمام ڈائریکٹر بھی آئے ہُوتے ہیں۔ اور کچھ سیٹھوں نے اپنے نمائندے بھیج رکھے ہیں۔ ولیکا کے صاحبزادے بھی یہیں گھومتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ سب سُونگھتے پھر رہے ہیں کہ اس ملاقات کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا ہے یا نہیں۔ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ کچھ سرمایہ دار شیخ صاحب کو مغربی پاکستان آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ انھوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ جب کراچی آئیں گے تو کراچی ایرپورٹ پر زبردست استقبال کروائیں گے۔ آپ بالکل فکرمند نہ ہوں۔ ہارون، ولیکا، آدم جی سب سرگرم عمل ہیں۔ کچھ "پیغام رساں" تو ڈھاکہ اور کراچی کے درمیان "شٹل کاک" بنے ہُوتے ہیں۔ انھیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ "نیشنلائزیشن" مرکز کے اختیار میں نہ آئے، اور صوبوں کو ہی بیرونی ممالک سے تجارت کا اختیار حاصل ہو۔

سرمایہ داروں کی ان سازشوں، انتہا پسندوں کے دباؤ کے درمیان بات چیت ہو رہی ہے۔ دونوں جماعتوں کے ماہرین الگ بات کر رہے ہیں۔ اگلے روز صبح ماہرین کو اپنے مذاکرات کے دُوسرے دَور کا آغاز کرنا ہے اور بھٹو کو طوفان زدہ علاقوں کے دَورہ پر جانا ہے۔

(باقی آئندہ)



۱۱۳۴ انٹر کانٹی نینٹل ـ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان

دعوتِ عمل

شہنشاہ حسن

چند در چند مصائب سے گذرنا ہوگا
اور ابھی دار و رسن سے بھی نمٹنا ہوگا

ساتھیو! ظلم کے آئینِ جہانبانی کو
کچھ بھی ہو، اس کو بہر طور بدلنا ہوگا

دُشمنِ دین و وطن لیتے ہیں اسلام کا نام
اِن زبانوں کو تو خاموش ہی کرنا ہوگا

مُلک و ملّت کو تباہی میں گرانے والو
یاد رکھو، یہ خسارہ تمھیں بھرنا ہوگا

تُو تو گم کردۂ منزل تھا ازل سے واعظ
اب جہاں ہم تجھے لے جائیں گے چلنا ہوگا

عزمِ پیہم کی قسم، فکرِ معیشت کی قسم
زر پرستوں کے اِرادوں کو بدلنا ہوگا

نئی اُمنگیں، نئے جذبے، نئی فکریں، نئے عزم
نئے عنوان سے تاریخ کو لکھنا ہوگا

مشاہدات

شہلا

چند لمحے ابھی باقی تھے سحر ہونے میں
سُرمئی رنگ اُفق
نیم خوابیدہ فضا
سُرخ پھولوں پہ چمکتی شبنم
ایک کوٹھی کے ہرے لان پہ ... آہستہ خرام
دو صحت مند گلابی پاؤں
دیر تک آئے نظر ———

———

اور کچھ دیر تھی باقی ابھی شب ہونے میں
شام کی دھند میں، اُپلوں کا دُھواں
مضمحل، تیرہ و تاریک سماں
زرد چہرے پہ پسینے کی نمی
ایک پتھریلی و سنگلاخ سڑک پہ ... تنہا
دو تھکے ہارے برہنہ پاؤں
دور تک آئے نظر ———

نیشنل پریس ٹرسٹ ۵

سومار رات کو ایڈیٹروں سے ٹیلی فون پر بات کرتے۔ بھٹو کی خبروں کے بارے میں استفسار کرتے۔ کوئی خبر ہوتی تو کہتے: "دبا دو"

اعلانِ تاشقند کی تیاری میں ٹرسٹ کا حصّہ

شوکت صدیقی

قومی اسمبلی میں عبدالکریم سومار زناٹے دار تقریریں جھاڑتے۔ کنونشن لیگیوں سے داد پاتے ذوالفقار علی بھٹو انھیں "ٹل صلاح الدّین" کہتے اور وہ بھٹو کی جڑ کاٹنے کے لئے منصوبے بناتے۔ ملتے تو بچھ جاتے۔ جدا ہوتے تو چھُری تیز کرتے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب ہر طرف بھٹو کا شہرہ تھا۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں وہ ایک بڑے قومی رہنما کی حیثیت سے اُبھرے۔ سلامتی کونسل کی تاریخی تقریر نے انھیں بین الاقوامی شہرت بخشی۔ اخبارات میں اُن کا چرچا رہتا۔ بیانات چھپتے، تقریریں چھپتیں اور نمایاں طور پر چھپتیں۔ ان اخبارات میں نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات بھی تھے جو بھٹو کی خبروں کو آب و تاب سے شائع کرتے۔ ان کا سامراج دشمن کردار اُبھر کر واضح صورت میں سامنے آیا۔

اس صورتِ حالات سے امریکی حلقے بہت پریشان تھے، اور اُن سے بھی زیادہ سومار کے سرمایہ دار آقا پریشان تھے۔ بیرونی قرضوں کی وجہ سے اُن کے مفادات امریکی مفادات سے وابستہ تھے۔ یہ اُن کے اقتصادی رشتے تھے۔ اقتصادی رشتے جو وفاداریوں کو جنم دیتے ہیں، انھیں پروان چڑھاتے ہیں — ایوب خان پر شدید بیرونی دباؤ پڑ رہا تھا اور اندر سے بھی دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ امریکی لابی بہت مستعد تھی۔ وزیرِ خزانہ محمد شعیب کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں۔ ان کے ساتھ نوکر شاہی کا ایک طاقتور گروہ تھا۔ اور ان سب کی پشت پناہی اجارہ دار سرمایہ دار کرتے تھے۔ بھٹو کے خلاف جنگِ ستمبر کے آخری دنوں ہی سے سازشیں شروع ہو چکی تھیں۔ اور جب "اعلانِ تاشقند" کے خفیہ مذاکرات کا آغاز ہوا تو اُن کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ سومار آئے دن پنڈی کے چکر لگاتے۔ بات بات پر ایوب خاں سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتے، بڑھتی ہوئی مصروفیات کا رونا روتے۔ مقصد اپنی شخصیت کی اہمیت جتانا ہوتا۔ یہ اہمیت ایک واقعہ سے ہوئی تھی۔ اور وہ واقعہ یہ تھا کہ جنگ ستمبر کے دوران غلام فاروق ایک "اہم مشن" پر جمہوریہ چین گئے۔ اس وقت وہ صدر مملکت کے مشیر امور دفاع تھے۔ محمد شعیب کی سفارش پر سومار کو بھی غلام فاروق کے ساتھ بھیجا گیا۔ سنا ہے سومار اس لئے چین گئے تھے کہ مذاکرات میں امریکی مفادات کا خیال رکھیں، اور ...

"اعلانِ تاشقند" کے خفیہ مذاکرات کے دوران سومار نے ٹرسٹ کی نئی پالیسی کے بارے میں ایڈیٹروں کو بریفنگ دی۔ نئی ہدایات دیں۔ بھٹو اس وقت چونکہ وزیر خارجہ تھے لہٰذا تحریری ہدایات نہ جاری کی گئیں زبانی طور پر کہا گیا کہ "اخبارات میں بھٹو کی اس قدر پبلسٹی سے صدر ایوب کی شخصیت مجروح ہوتی ہے لہٰذا ان کی خبریں بلیک آوٹ کی جائیں" حالات اس وقت ایسے تھے کہ یہ ممکن نہ تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو کو اخبارات میں نظر انداز کیا جائے۔ ایڈیٹروں کے لئے خاصی آزمائش کا مرحلہ تھا۔ ایک اہم قومی شخصیت کی خبروں کو اس طرح دبانا ممکن نہ تھا۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب میں روزنامہ "انجام" کو خیرباد کہہ چکا تھا۔ ابراہیم جلیس میرے جانشین تھے۔ وہ "انجام" کے چیف ایڈیٹر تھے۔ ایک روز "انجام" میں بھٹو کی خبر شائع ہو گئی۔ ستم یہ ہوا کہ خبر تصویر کے ساتھ شائع ہوئی۔ سومار سخت چراغ پا ہوتے۔ جلیس پر سخت ناراض ہوئے "مارننگ نیوز" کے ایڈیٹر محسن علی پر بھی واردات گزری۔ سومار رات کو ایڈیٹروں سے ٹیلی فون پر بات کرتے۔ بھٹو کی خبروں پر استفسار کرتے۔ کوئی خبر ہوتی تو کہتے "دبا دو"

اس طرح کراچی کے دونوں اخبارات پر انھوں نے کسی حد تک قابو پا لیا تھا۔ مگر "پاکستان ٹائمز" اور "امروز" پر اُن کا قابو نہیں چل رہا تھا۔ وہ دھڑلے سے بھٹو کی خبریں نمایاں طور پر شائع کرتے۔ سومار پیچ و تاب کھاتے۔ انھیں ایوب خاں اور محمد شعیب کی ناراضگی کا خوف ستاتا۔ اپنا سیاسی کیریر تاریک ہوتا نظر آتا۔ ہر وار آقاؤں کی برہمی کا دھڑکا الگ ہوتا۔ وہ جمیل الدین عالی سے مدد چاہتے۔ اور عالی صحافت کے اتھکس کا ذکر چھیڑ دیتے۔ گرما گرم بحث ہوتی اور معاملہ ختم ہو جاتا۔ آخر جب پریشانی زیادہ بڑھی تو سومار ایک روز جمیل الدین عالی کے ساتھ لاہور جا پہنچے۔

اس زمانے میں کرنل مجید ملک پی پی ایل کے مینجنگ ڈائرکٹر تھے۔ انھوں نے "پاکستان ٹائمز" اور "امروز" کے سینئر سٹاف کو طلب کیا اور کہا کہ چیئرمین ٹرسٹ کی نئی پالیسی کے رہنما اصولوں پر گفت و شنید کریں گے۔ یہ اجتماع مینجنگ ڈائرکٹر کے کمرے میں منعقد ہوا۔ کرنل مجید ملک اور جمیل الدین عالی بطور "گواہان" اس مجلس میں شریک ہوئے۔ سومار نے بھٹو دشمن پالیسی مختصر طور پر بیان کی اور ایک ایسے انداز میں بیان کی جسے وہ دانشورانہ انداز کہتے تھے۔ بیچ بیچ میں اقبال کے اشعار سے انھوں نے زورِ خطابت پیدا کرنے کی بھی

سومار نے
تمام اخبارات
کا غصہ
انجام پر نکالا

اخبارات میں جنگ ستمبر کے آخری دنوں ہی سے بھٹو کے خلاف سازش شروع ہو چکی تھی

کوشش کی۔ جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکے تو انھوں نے اس کے بارے میں سوالات کی دعوت دی لیکن سب خاموش بیٹھے رہے۔ سومار نے بات کچھ اس قدر ژولیدہ انداز میں بیان کی تھی کہ کسی کے پلے کچھ بھی نہ پڑا۔ اقبال کے اشعار نے مفہوم کو اور پیچیدہ بنا دیا۔ ذرا دیر خاموشی رہی۔ سومار نے اصرار کیا تو صفدر میر کھڑے ہوتے انہوں نے کہا "معاف کیجیے ہم آپ کی بات ہی سمجھ نہ سکے۔ سوالات کیا کریں؟" اس کے بعد انھوں نے سومار کو سمجھایا کہ "صحافت بڑی حد تک پیشہ ورانہ اصطلاحات اور تشریحات سے گھرا ہوا ایک ایسا فن ہے جس کے لئے بہت سی باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ نہایت مناسب ہوگا کہ آپ اپنی فکر کرنل مجید ملک، عالی صاحب یا خواجہ آصف صاحب کے ذہن نشین کرا دیں تاکہ وہ ہم سے ہماری زبان میں بات کر سکیں۔ اس کے بعد ہمیں جو کچھ دریافت کرنا ہوگا، اُن کے ذریعے آپ تک پہنچا دیں گے"

سُنا ہے، سومار اس قدر جھنجھلائے کہ ان کا چہرہ سُرخ پڑ گیا۔ خلافِ معمول انھوں نے بہت ضبط سے کام لیا۔ صرف اس قدر کہا "کیا آپ لوگ اِن حضرات کو مجھ سے زیادہ قابل سمجھتے ہیں؟" پھر ذرا توقف کرکے تیوری پر بل ڈال کر بولے "اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو سمجھا کریں۔ ٹرسٹ کا چیئرمین میں ہوں۔ اس فیکٹری کا مالک میں ہوں۔ یہ حضرات کتنے ہی لائق و فائق کیوں نہ ہوں۔ ان کی حیثیت مینیجروں سے زیادہ نہیں۔" بات شاید اسی وقت بڑھ جاتی مگر کرنل مجید ملک کا تجربہ کام آیا۔ انھوں نے کرسی پیچھے ہٹائی اور اونچی آواز سے اعلان کیا کہ "لنچ کا وقت ہوگیا ہے۔ ضروری ہوا تو آپ حضرات کو دوبارہ زحمت دی جائے گی۔" اس طرح یہ میٹنگ سخت کشیدگی کی فضا میں ختم ہوئی لیکن سومار کا غصّہ نہ اُترا۔ وہ لنچ پر بھی بات بات پر جھنجھلاتے۔ تیز لہجے میں کہتے "یہاں سب کمیونسٹ گھسے ہوئے ہیں۔ میں انھیں ٹھیک کر دوں گا" چنانچہ "ان کمیونسٹوں" کو ٹھیک کرنے کے لئے انہوں نے ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا۔

اسی شام پی پی ایل کے چیف اکاؤنٹنٹ، پریس مینجر، اور شعبۂ انتظامیہ کے ذمہ دار کارکنوں کی ایک میٹنگ بلائی گئی۔ کرنل مجید ملک اور جمیل الدین عالی کو حکم ملا کہ ان سے پُوری طرح حساب فہمی کی جائے۔ پی پی ایل کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو کم کرنے کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کی جائیں۔ یہ ایک جانا پہچانا حربہ تھا جو عام طور پر مِل مالکان اپنے عملے کو خوفزدہ کرنے کے استعمال کرتے ہیں۔ غرض چیئرمین صاحب کے اِن احکامات پر عمل کیا گیا کرنل مجید ملک اور جمیل الدین عالی رات بھر حِساب کتاب دیکھتے رہے۔ رجسٹروں کی جانچ پڑتال کرتے رہے۔ مختلف شعبوں کے انچارجوں کے ساتھ سر کھپاتے رہے مگر کوئی سبیل پیدا نہ ہوئی اخبارات کا معیار قائم رکھتے ہوئے اخراجات میں کمی کی گنجائش نہ تھی۔ بڑی مشکل سے دونوں نے ایک آدھ مد تلاش کرلی جس میں کفایت شعاری سے کام لیا جا سکتا تھا انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ "کمپوزنگ میں استعمال ہونے والا سیسہ براہ راست خریدا جائے۔ فوٹو فلموں میں کمی کردی جائے۔ کوشش کی جائے کہ ردی بازار میں اچھے بھاؤ پر فروخت ہو۔"

دوسری صبح مینجنگ ڈائرکٹر کے کمرے میں سینئر ایڈیٹوریل اسٹاف کے ساتھ پھر میٹنگ ہوئی۔ اخراجات

صحافیوں کے

خلاف سومار

اور آفتاب شاہ

گٹھ جوڑ

دورِ الطاف گوہر

میں قائم ہوا

میں کمی کرنے کی تجاویز پیش ہوئیں۔ سومار نے بچت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے یک ایڈ عالی کمیٹی کی تجاویز مسترد کر دیں۔ اور یہ اعلان کیا کہ وہ پی پی ایل کے بجٹ میں فوری طور پر ۲۰ فیصد تخفیف کرنے والے ہیں۔ یہ اعلان سُن کر کرنل مجید کا چہرہ اُتر گیا جمیل الدین عالی نے تڑپ کر کہا "جناب یہ قطعی ناممکن ہے، شاید آپ نے اس مسئلہ پر پوری طرح غور نہیں کیا۔ کوئی بھی بچت فی صد کار موسے کے حساب سے نہیں ہوتی" کہا جاتا ہے کہ اس پر سومار نے فوراً کہا "یہ کام ہم جانتے ہیں۔ آپ ٹھہرے بیوروکریٹ، بہر حال دس فیصد تخفیف تو ہونی ہی چاہیے۔ میں وہ کر کے رہوں گا۔"

اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسی وقت ہنگامہ ہوگیا۔ سومار سے کہا گیا کہ "آپ کو تخفیف ہی کرنی ہے تو پھر ہمیں بلانے کی آپ نے کیوں زحمت فرمائی" دوسری روایت یہ ہے کہ سومار نے یہ اعلان کرتے ہی میٹنگ برخواست کردی اور پریس کا معائنہ کرنے چلے گئے۔ وہاں پریس کے کارکنوں نے ان کا گھراؤ کرلیا۔ اپنے مطالبات پیش کردیتے۔ وہ دس فیصد بچت کا اعلان کرکے آئے تھے۔ یہاں اضافہ سامنے آگیا، سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ اس صورتِ احوال نے انھیں خاصہ پریشان کردیا۔

اسی قیام لاہور کے دوران سومار نے پی پی ایل کے سینئر صحافیوں کو "فلیٹیز" بلایا جہاں ان کا قیام تھا۔ فرداً فرداً انھیں اپنے معیار پر پرکھا۔ پیمان وفا باندھنے کی کوشش کی۔ بے تکلفی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شغلِ مے نوشی کی دعوت دی، مگر کوئی حربہ کام نہ آیا۔ کوئی داؤں کارگر نہ ہوا۔ جب اس طرح کام نہ چلا تو انھوں نے پھر دھونس دھمکی اختیار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک بار پھر شعبۂ ادارت کی میٹنگ بلائی۔ تقریر فرمائی۔ نئی پالیسی پر کاربند ہونے کی ہدایت کی۔ اور بڑے پیمانے پر تخفیف کرنے کی دھمکی دی۔ اس پر سخت ہنگامہ ہوا۔ "پاکستان ٹائمز" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اے ٹی چودھری نے اُن کے جواب میں جو

"یہاں سب کمیونسٹ ہیں، میں انھیں ٹھیک کر دوں گا" — سومار

تقریر کی وہ دو سروں کو یاد ہو یا نہ ہو۔ سومار کو خوب یاد ہے۔ اس میٹنگ میں ان کی خواری ہوئی۔ ذلت کے ساتھ ناکامی ہوئی۔ لاہور کے بعض اخبارات نے اس کی تفصیلات شائع کیں۔ اس پر وہ سخت سیخ پا ہوتے۔ کرنل مجید ملک پر الزام لگا کر اسٹاف اُن کے قابو میں نہیں ہے۔ عالی پر الزام لگا کر پی پی ایل کے کمیونسٹ عناصر کے ساتھ انہوں نے ساز باز کر رکھی ہے۔

جب تک یہ ہنگامہ چلتا رہا۔ سومار کا الطاف گوہر سے مسلسل رابطہ رہا۔ آفتاب احمد خاں جو اسی زمانے میں جنرل مینجر بنائے گئے تھے، بڑے اہم کارنامے انجام دے رہے تھے۔ انھیں بطورِ خاص پنڈی بھیجا تاکہ وہ الطاف گوہر کو صحیح صورتِ حالات سے آگاہ کر دیں۔ وہ صبح گئے اور اسی رات تقریباً بارہ بجے واپس پہنچے۔ سومار کے کمرے میں تقریباً تمام رات ان سے راز و نیاز میں مشغول رہے۔ سُنا ہے کہ ان دنوں جن صحافیوں کے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک تبادلے کئے گئے ان کی فہرست آفتاب پنڈی سے لائے تھے۔ اس فہرست میں عبداللہ ملک اور راؤ محمد حسین کے نام سرِ فہرست تھے۔

یہاں آفتاب احمد خاں کا ذکر بھی ذرا تفصیل سے ہو جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ پی۔پی۔ ایل کے معاملات میں نہایت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ شیخ آفتاب احمد خاں، سابق گورنر سندھ دین محمد مرحوم کے نواسے ہیں۔ الطاف گوہر کے چھوٹے بھائی تجمل کے ہم جماعت اور ہم ضلع ہیں۔ دونوں نے ایک ساتھ تعلیم پائی، ایک ساتھ کالج چھوڑا اور ایک ساتھ سپیریر سروسز کا امتحان پاس کیا اور دونوں ایک ساتھ سروس میں شامل ہوئے۔ پہلے مارشل لاء سے کچھ ہی عرصہ قبل سرکاری ٹریننگ کے سلسلے میں لندن گئے، لیکن پاکستان میں پیچھے کچھ ایسے واقعات چھوڑ گئے جنھوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ چنانچہ انہوں نے پاکستان آنے سے انکار کر دیا۔ ڈیوٹی سے غیر حاضر رہے حکومت نے انھیں برطرف کر دیا۔ وہ پانچ چھ برس تک لندن کی کسی فرم میں ملازم رہے۔ اس زمانے میں انھیں اکثر لندن کے ہائیڈ پارک میں پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے سُنا گیا۔ جنگِ ستمبر سے کچھ عرصہ قبل الطاف گوہر نے انھیں بطورِ خاص واپس بلایا۔ کچھ ہی دن بعد انھیں ایک دم پی پی ایل میں لمبی تنخواہ پر جنرل مینجر مقرر کر دیا گیا۔ حالانکہ کرنل مجید ملک کے ہوتے ہوئے ایک اور پوسٹ کی قطعاً

ہائیڈ پارک میں پاکستان کے خلاف تقریریں کرنے والے آج صحافیوں کی قسمت کے مالک ہیں

ضرورت نہ تھی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ سومار پی پی ایل میں اخراجات کم کرنے کا بوجھ اٹھائے گھوم رہے تھے۔ آفتاب احمد خاں اس وقت بھی پی پی ایل کے جنرل مینجر ہیں۔ کراچی آتے ہیں تو ان کا بیشتر وقت سومار کے ساتھ گزرتا ہے۔

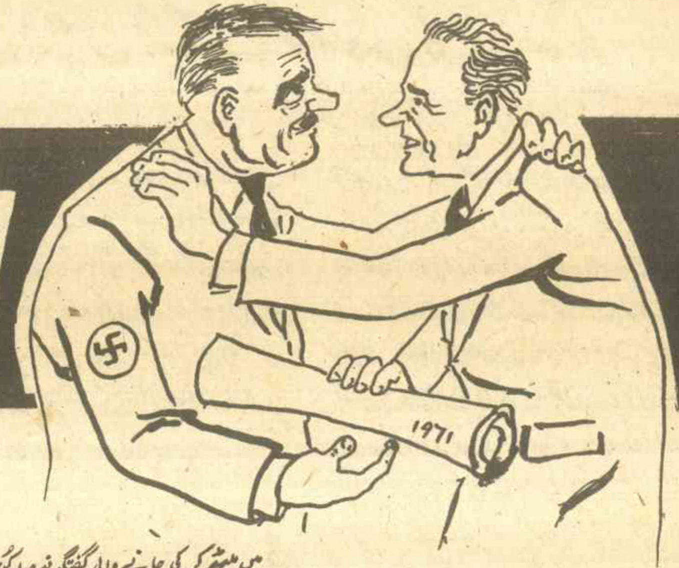
غرض کہ سومار کا یہ مشن بالکل ناکام رہا۔ وہ ڈھاکہ گئے۔ وہاں بھی مُنہ کی کھائی۔ بنگالیوں سے اُلجھتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اوپر سے یہی ہدایت تھی۔ گئے تھے اخراجات میں تخفیف کرانے۔ "ڈینک پاکستان" کے عملے نے اُن کا گھیراؤ کیا تو کان دبا کر اُن کے مطالبات مان لئے۔ تخفیف اضافے میں بدل گئی۔ "مارننگ نیوز" پر ان کا بس نہ چلتا تھا۔ محسن علی نے بقول شخصے انھیں پُٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیا۔ "مارننگ نیوز" میں سومار کی ہدایت کے باوجود غلام فاروق کی وہ تقریر پوری تفصیل سے شائع ہوئی جو اُنھوں نے قومی اسمبلی میں کی تھی اور جس میں "ہوپ کا اسکینڈل" سامنے آیا۔ اس کی اجارہ داری فیفنی کے پاس تھی۔ وہ چور بازاری میں مُنہ مانگے داموں پر فروخت ہوتے تھے۔ ٹیکسٹائل کی صنعت بُری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ سومار ٹھہرے فیفنی کے نمک خوار۔ فیفنی نے ان سے باز پُرس کی تو اُنھوں نے محسن علی کو دبانا چاہا وہ اُن کی دھونس میں نہ آئے۔ غلام فاروق اسوقت وزیرِ صنعت و تجارت تھے۔ اور ایوب خاں کے بہت قریب تھے۔ ایسی صورت میں سومار محسن علی کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔

جب کسی اخبار پر سومار کا بس نہ چلا تو نزلہ "انجام" پر گرا، وہی ایسا بدقسمت اخبار تھا جو پوری طرح ان کی عملداری میں تھا جس پر اُن کی حکمرانی چلتی تھی۔ اُنھوں نے جھنجھلاہٹ میں "انجام" کے جنرل مینجر بادشاہ حسین کو ہٹایا اور اپنے ایک معتمد کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ سید بادشاہ حسین سے کہا گیا کہ ان کا تبادلہ "مارننگ نیوز" ڈھاکہ کر دیا گیا ہے" وہ وہاں پہنچے تو معلوم ہُوا کہ اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں پہنچی۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ وہاں مقیم رہے۔ سومار کو خط لکھتے رہے، ٹیلیگرام بھیجتے رہے، کوئی جواب نہ آیا۔ کوئی ہدایت نہ ملی۔ مجبوراً واپس کراچی آئے تو سومار ان سے ملتے ہوئے کتراتے، جب جاتے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال جاتے۔ ملاقات کا موقع ہی نہ دیتے۔ آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ نہ انھیں کوئی نوٹس دیا گیا۔ نہ برطرفی کا پروانہ جاری ہُوا، نہ تنخواہ ملی، نہ الاؤنس۔

(باقی آئندہ)

نکسن ہٹلر بھائی بھائی

امریکہ نے ہند چینی میں ایٹم بم گرانے کا فیصلہ کرلیا



نون - الف

چند غیر ملکی اخبارات نے اس بات کا سنسنی خیز انکشاف کیا ہے کہ "نکسن حکومت ہند چینی میں اپنے عزائم کو ہر صورت میں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے بہت جلد ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے والی ہے۔ اس کے لئے اُس نے رائے عامہ کو پہلے ہی سے ہموار کرنا شروع کر دیا ہے"۔ ہند چینی میں امریکی سامراج کے حالیہ جارحانہ اقدامات، اس امر کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ نکسن حکومت ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعہ وسیع پیمانے پر پھیلائی ہوئی تباہ کاری اور جھلسی ہوئی انسانی لاشوں پر اپنی نام نہاد کامیابی کا نقارہ بجانے کے لئے مضطرب ہے۔

سویڈن کے ایک اخبار "افتن بلادت" کے نامہ نگار ایرک ایریکین نے اپنے تازہ مضمون نے اسی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نکسن حکومت ہند چینی میں عنقریب ایک نئے طرز کے ایٹمی بم استعمال کر کے جنگ کو انتہائی ہولناک صورت میں تبدیل کرنے والی ہے۔ یہ اس کی آخری اور گھناؤنی کوشش ہوگی۔ امریکہ ویت نام میں ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کے متعلے پر ۱۹۶۷ء سے ۱۹۶۸ء تک غور کرتا رہا، لیکن بین الاقوامی رائے عامہ سے مجبور ہو کر اپنے اس انتہائی اور ناپاک منصوبے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ گذشتہ موسمِ خزاں سے امریکہ کا برسرِ اقتدار طبقہ دوبارہ ہند چینی میں ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا جائزہ لے رہا ہے — ہند چینی کے موجودہ حالات اور بے شمار واقعات اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ وہائٹ ہاؤس کے کمرے میں بیٹھ کر کی جانے والی گفتگو فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے۔

امریکی عوام کو ذہنی طور پر تباہ کرنے کے لئے اسی موضوع پر ہند چینی کے سیاسی مبصر سی' ایل' سلز برگر کا ایک مضمون گذشتہ نومبر میں نیویارک ٹائمز میں شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ "ہند چینی میں ہتھیاروں کے امکانات" کے عنوان سے بے شمار مضامین اور تبصرے امریکہ کے رجعتی اخبارات میں وقفے وقفے سے شائع کئے جا رہے ہیں۔ مضامین کی اشاعت کے بعد مختلف طریقوں سے عوام کی رائے معلوم کی جاتی ہے اور وہائٹ ہاؤس کے مکینوں کو اس سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ نکسن حکومت ہند چینی میں نئے طرز کے ایٹمی بم استعمال کرنے سے پہلے اس بات کی پوری پوری کوشش کر رہی ہے کہ اس اقدام سے پیدا ہونے والی ہولناک صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکی عوام کو ذہنی طور پر قبل از وقت تیار کر لیا جائے تاکہ بعد میں کسی ایسی بڑی پیچیدگی کا سامنا نہ کرنا پڑے جس سے امریکی مفاد خطرے میں پڑ جائے۔

اخبارات نے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ تقریباً ۳۵ لاکھ جنوبی ویتنامیوں کو جبری طور پر شمال سے جنوب کی طرف منتقل کرنے کا فیصلہ بھی زیرِ غور ہے امریکی سامراج کے اس فیصلے سے بھی اس شبہے کو تقویت ملتی ہے کہ ہند چینی میں ایٹمی ہتھیاروں کی جنگ شروع ہونے والی ہے۔ امریکہ کے بے شمار باخبر سائنسدان اور سیاستدان اس فیصلے سے متفکر اور پریشان ہیں۔ اس سلسلے میں جب مغربی ملکوں کے چند سیاستدانوں کے ترجمان سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "امریکہ کا یہ فیصلہ عالم انسانیت کے لئے تباہ کُن ہوگا۔ امریکی حکومت کو اس اقدام سے روکنے کے لئے ہم بین الاقوامی رائے عامہ کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کریں گے"۔

جاپان کے ایک ہفت روزہ "شوکان جندائی" نے بھی اپنے ایک مضمون میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ امریکہ ویت نام میں ایٹمی بم استعمال کرنے والا ہے۔ ویت نام میں ایٹمی بم استعمال کرنے کا جنون تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ ہند چینی کے بگڑے ہوئے حالات انتہائی خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ نکسن نے ۲۰ اپریل کی رپورٹ میں واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ "میں ہر وہ موثر طریقہ استعمال کرنے میں ذرا برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کروں گا جس سے حالات پر قابو پایا جا سکے"۔ نیویارک ٹائمز میں ہند چینی جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے جیمس ریسٹن لکھتا ہے:

"اگر دشمن کے حملوں سے امریکی فوج کے سپاہیوں کی زندگی خطرے میں نظر آئی تو نکسن "ہر قسم کے ہتھیار" استعمال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"۔

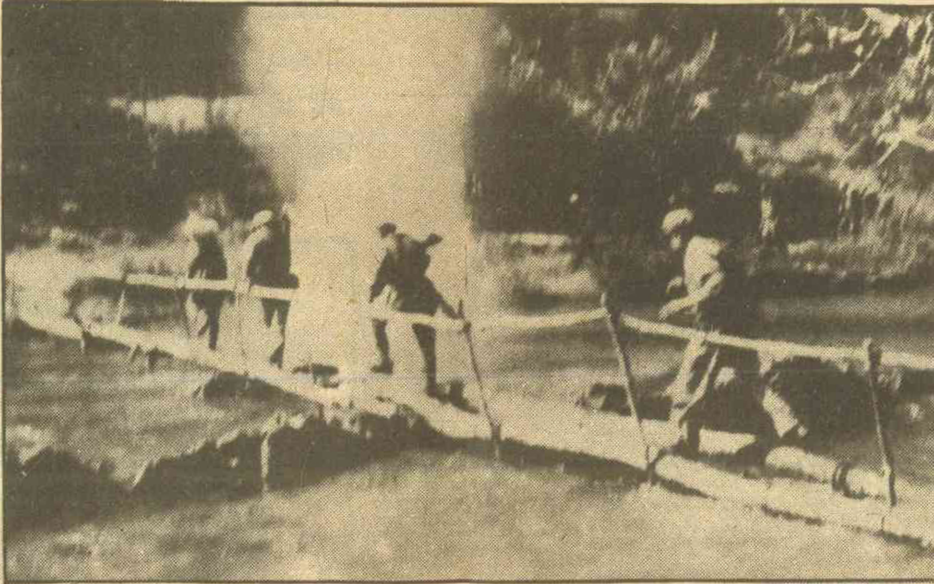
جاپانی اخبار "اوماموسیاشی" کے مجلسِ ادارت کے ایک رکن شمبن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "ہر قسم کے ہتھیار" کا مطلب "ایٹمی ہتھیار" ہے۔ بروکنگز انسٹی ٹیوٹ کے مارٹن ایچ ہالپورن نے بھی اس خطرہ کی بو سونگھتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ "امریکی حکومت کی طرف سے ہند چینی میں ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کا خطرہ بڑھ گیا ہے"۔ مسلح افواج کمیٹی کے سابق چیئرمین ایم ریورز کا خیال ہے کہ "امریکہ ایک نہ ایک دن ویت نام کی جنگ جیتنے کے لئے ایٹمی ہتھیار استعمال کرے گا"۔ بین الاقوامی امور کے ایک جاپانی مبصر یوشی ہی سا کا کہنا ہے کہ "نکسن ہند چینی جنگ کو باعزت طور پر ختم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ تاریخ میں ہند چینی جنگ میں شکست کھانے والے وہ پہلے امریکی صدر کے نام سے یاد کئے جائیں۔ چنانچہ قدرتی طور پر اُن کے ذہن میں ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کا خیال موجود ہے۔ اس طرح وہ اپنی شکست کو ایک انتہائی مکروہ فتح میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں"۔

ہند چینی جنگ میں امریکی فوج کو پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جنگ بازوں کو جب اپنے بزدلانہ حملوں کا منہ توڑ جواب ملتا ہے تو وہ شکست کی شرمندگی سے بچنے کے لئے ہر ہتھکنڈے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہند چینی میں امریکہ کے حق میں جوں جوں حالات مخدوش ہوں گے، ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ اس بات کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوگا کہ امریکہ ۱۹۶۸ء میں کھی سان میں ایٹم بم گرانا چاہتا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں جب فرانس ڈین بن پھو میں تباہ کن شکست سے دوچار ہوا تو امریکی سامراج فرانسیسی حکام کی درخواست پر ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے پر بالکل کمربستہ تھا۔

ہٹلر کی طرح نکسن بھی فوجی کارروائی کے متوالے ہیں۔ امریکہ کو شکست سے بچانے کے لئے وہ ہند چینی میں ایٹمی ہتھیاروں سے تباہی و بربادی پھیلانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ امریکہ کی فوجی طاقت اپنے انتہا کو پہنچ چکی ہے اور اس کے لئے ایٹمی بموں کا استعمال بہت ضروری ہو گیا ہے۔

ملٹری مبصر ہیرو شی اوسانائی نے انکشاف کیا ہے کہ "امریکہ کی ایک امن کمیٹی نے جاپان کی ایک امن کمیٹی کو اطلاع دی ہے کہ پنٹاگون کی موجودہ نقل و حرکت سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی فوج ہند چینی جنگ میں ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی تیاری کر رہی ہے"۔ امریکی امن کمیٹی نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ اس سلسلے میں اوکی ناوا اور ویت نام کے فوجی اڈوں پر مقامی جنگلوں میں محدود پیمانے پر ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔

سائیگان کے ایک نامہ نگار سن کائی شمبن نے اپنی ۲ فروری کی رپورٹ میں بھی اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے سے پہلے جنوبی ویتنام کے شمالی علاقوں سے کسانوں کو جبری طور پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ اب تک تقریباً دس لاکھ انسانوں کو زبردستی شہری علاقوں میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ دریں اثنا گذشتہ سال جنوبی ویت نام کے شمالی علاقے میں اچانک ایک فیکٹری بند کر دی گئی۔ اس قسم کے سارے واقعات اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ امریکی سامراج ہند چینی میں حریت پسندوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد بوکھلا اٹھا ہے اور بوکھلاہٹ میں وہ کسی وقت بھی ایٹمی ہتھیاروں کی جنگ چھیڑ کر اپنی ذلت آمیز شکست کی جھینپ مٹانے کی کوشش کرے گا لیکن اس کی یہ حرکت، اس کی دوسری فوجی کارروائیوں کی طرح خود اس کی آخری اور مکمل شکست کا باعث بن جائے گی۔



لاؤس کے حریت پسند امریکی سامراج اور جنوبی ویت نام کی سرکاری فوجوں کے اڈوں پر کامیاب حملے کر کے واپس لوٹ رہے ہیں



امریکہ میں بیروزگاروں کی فوج مضبوط ہو رہی ہے

—— : الفتح رپورٹ : ——

چچا سام کا دیس بھی عجیب ہے - یہ روشنیوں کا ملک ہے۔ دنیا کا سب سے مہذّب اور خوشحال ملک کہلاتا ہے - جمہوریت کا محافظ ہے، جہاں بھی جمہوریت کو خطرہ محسوس ہوتا ہے، یہ اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی ادا کرتے ہوئے اپنی فوجیں بھیج دیتا ہے لیکن خود دنیا کی نصف پیداواری قوت کو اپنے تصرّف میں لاتا ہے۔ یہ انسانیت کا علمبردار ہے بلکہ حیوانات کے تحفظ کا دعویدار بھی - ۱۸ ویں صدی سے یہاں پر "محکمہ تحفظ حیوانات" قائم ہے لیکن جب اس کے فوجی ویت نام، لاؤس اور کوریا میں ہزاروں حریت پسندوں کو گولیوں کا نشانہ بناتے ہیں تو وہ انسانیت کی خدمت ہوتی ہے - یہ غیر ممالک کو امداد اور قرضے دیتا ہے لیکن خود اس کے ہاں بے روزگاروں کی فوج میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے - ہر امریکی صدر اپنے انتخابی منشور میں بے روزگاری کی شرح کم کرنے اور بے روزگاروں کو ملازمتیں دلوانے کے وعدے کرتا ہے لیکن بات اتنی بگڑ چکی ہے کہ اس کا حل نظر نہیں آتا۔

۸ جنوری کو امریکی محکمۂ محنت نے ۱۹۷۰ء کے بے روزگاروں کے جو اعداد و شمار شائع کئے وہ یہ ہیں -

جنوری ۳ء۹ فی صد، فروری ۴ء۲ فیصد، مارچ ۴ء۴ فیصد، اپریل ۴ء۸ فیصد، مئی ۵ فیصد، جون ۴ء۷ فیصد، جولائی ۵ فیصد - اگست ۵ء۱ فیصد، ستمبر ۵ء۵ فیصد، اکتوبر ۵ء۶ فیصد، نومبر ۵ء۸ فی صد اور دسمبر ۶ فیصد -

۱۹۶۹ء میں بے روزگاری کی اوسط شرح ۳ء۵ فیصد تھی - ۱۹۷۰ء میں بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ گڈ ائیر ٹائر اینڈ ربڑ کمپنی اور امریکن موٹرز کارپوریشن کے ہزاروں ملازمین کی برطرفیاں ہیں - ان اجارہ داروں نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ "ان کے مال کی کھپت کم ہوگئی ہے" مبصرین کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں بے روزگاروں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگا۔ کیونکہ حال ہی میں پان امریکن ایرویز نے اپنے ہزاروں ملازموں کو جن میں ہوا باز اور کلرک شامل ہیں برطرف کر دیا ہے -

بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور گرانی نے عوامی جدوجہد کو تیز کر دیا ہے جس سے امریکی حکمران طبقہ بوکھلا اٹھا ہے - ۴ جنوری کو صدر نکسن نے ٹیلی ویژن کی گفتگو میں تسلیم کیا ہے کہ " امریکہ بے روزگاری اور گرانی کے شدید بحران میں مبتلا ہوگیا ہے -" لیکن انھوں نے یقین دلایا کہ "۱۹۷۲ء تک بے روزگاری کا خاتمہ ہو جائے گا" لیکن خود نکسن کو بھی یقین نہیں کہ وہ اپنا وعدہ پورا کر سکیں گے - کیوں کہ انھوں نے اپنے انتخابی منشور میں ملک سے افراطِ زر ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا - لیکن اِن کے دور حکومت میں افراطِ زر میں اضافہ ہوا ہے - اسی طرح انھوں نے فاضل بجٹ بنایا - لیکن سال کے اختتام تک وہ خسارے کے بجٹ میں تبدیل ہوگیا۔

امریکی عوام بخوبی جان چکے ہیں کہ حکمران طبقہ خواہ کوئی بھی وعدہ کرتا رہے، بے روزگاری گرانی بھوک اور افلاس کے اندھیرے اس وقت تک اپنا ڈیرہ جمائے رہیں گے جب تک وہ استحصالی نظام کا خاتمہ کر کے غیر طبقاتی معاشرہ قائم نہیں کر لیتے - اب امریکی عوام اپنے سامراجی حکمرانوں کے خلاف میدان میں نکل آئے ہیں - چیئرمین ماؤزے تنگ اور ہوچی من گویا ان کے ہیرو ہیں - ویت کانگ کا سرخ پرچم اُن کا نشانِ ہے اور مزدور کسان راج اُن کا مقصد ہے - اب وہ دن دور نہیں جب عوامی امنگوں کا ترجمان سرخ آفتاب چچا سام کے دیس میں طلوع ہوگا۔



فلسطینی مجاہدین کے خلاف دو محاذ کھول دیئے گئے

عباس رضوی

اردن کی سرکاری فوجوں نے جبل الحمین کے علاقے میں فلسطینی باشندوں پر ٹینکوں کے ذریعے حملہ کر دیا ہے۔ حملہ کی وجہ سے بہت سے شہری ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے ہیں۔ تنظیم آزادی فلسطین کی مرکزی کمیٹی کے ایک ترجمان نے بتایا ہے کہ صورت حال کے پیش نظر کمیٹی نے فلسطینی ملیشیا میں ہتھیار تقسیم کر دیئے ہیں۔ اردنی رجعت پسندوں کی طرف سے فلسطینی چھاپہ مار تنظیموں کے خلاف فوجی کارروائی کوئی نئی بات نہیں۔ سرکاری فوجیں گذشتہ تین مہینے سے فلسطینی چھاپہ ماروں کے خلاف حرکت میں آئی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ سرکاری فوجوں نے چھاپہ ماروں کی پناہ گاہوں کے علاوہ عام فلسطینی باشندوں کی آبادی پر گولہ باری کی ہے۔

مبصرین کی رائے میں عام فلسطینی باشندوں پر سرکاری فوجوں کی گولہ باری اس بے چینی کا نتیجہ ہے جو کہ ان دنوں اسرائیلی حکومت کے خلاف فلسطینی چھاپہ ماروں کی چھاپہ مار سرگرمیوں کی وجہ سے سامراجی حلقوں اور اردنی رجعت پسندوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ گذشتہ تین ہفتوں میں سرکاری فوجوں نے امریکی فوجی مشیروں کے اشاروں پر فلسطینی چھاپہ ماروں کے خلاف جو فوجی اقدامات کئے ہیں۔ یہ حلقے ان اقدامات سے امید لگائے بیٹھے تھے کہ فلسطینی چھاپہ ماروں کی فوجی قوت ختم ہو جائے گی تاکہ ان کی تنظیمیں اس قابل نہ رہیں کہ اسرائیلی حکومت کے خلاف چھاپہ ماری کر سکیں۔ لیکن فلسطینی چھاپہ مار شاہی فوجوں کے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوئے۔

دمشق سے موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق فلسطینی چھاپہ ماروں نے سرکاری فوجوں کے خلاف لڑتے ہوئے بھی اسرائیلی حکومت کے خلاف اپنی چھاپہ مار سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اسرائیل کے عین قلب میں بالائی گلیلی، گولان کی پہاڑیوں، مقبوضہ غزہ پٹی میں یکم فروری سے لے کر پانچ فروری کے درمیان

اب آزادیٔ فلسطین کا مطالبہ دنیائے عرب کا مطالبہ بن گیا ہے

فلسطینی چھاپہ ماروں نے دشمن کے ۳۰ فوجیوں کا صفایا کردیا۔ اور پانچ فوجی گاڑیاں تباہ کردیں۔ مجاہدین نے بیر شیبا اور تل ابیب کے درمیان ریلوے لائن کے ایک بڑے حصے کو دھماکے کے ذریعے اڑا دیا۔ مجاہدین کی ایک پریس ریلیز کے مطابق یکم فروری کو چھاپہ ماروں نے حیفہ اور تل ابیب کے درمیان جاتی ہوئی دشمن کی ایک ریل گاڑی کو جس میں بارودی سرنگیں اور دھماکہ خیز اشیاء تھیں تباہ کردیں۔ اسی روز بالائی گلیلی کے علاقہ میں فلسطینی چھاپہ ماروں کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگوں پر سے گزرتے ہوئے دشمن کی ایک فوجی گاڑی اور اس میں سوار ۱۲ فوجی دھماکے سے اڑ گئے۔ تین فروری کو گولان کی پہاڑیوں اور الحمراء کے علاقہ میں واقع اسرائیلی ٹھکانوں پر مجاہدین کے حملے کے نتیجے میں دشمن کی ایک فوجی بیرک اور کچھ قلعہ بندیاں تباہ ہوگئیں۔ چار فروری کو بالائی گلیلی اور غزہ پٹی کے علاقہ میں مجاہدین نے اسرائیلی فوجی گاڑیوں پر حملہ کیا اور دشمن کے دس فوجی مار گرائے۔ اسی دن غزہ کے قریب مجاہدین نے ایک اور اسرائیلی فوجی گاڑی کو دھماکہ سے اڑا دیا۔ گوریلوں نے ۵ فروری کو بالائی گلیلی کے علاقہ میں اسرائیلی فوجی چھاؤنیوں پر حملہ کردیا۔ جس کے نتیجے میں دشمن کے کئی مورچے مکمل طور پر تباہ ہوگئے۔

دریں اثنا فلسطینی چھاپہ ماروں نے قنطارہ کے شمال میں ایک اور اسرائیلی فوجی چوکی پر حملہ کرکے اسرائیلی فوجوں کو زبردست نقصانات پہنچائے ہیں، جبکہ چھاپہ ماروں کے خلاف اردن کی سرکاری کارروائی مسلسل جاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اردنی رجعت پسندوں کو بلکہ عرب ملکوں کے موجودہ تمام قائدین کو فلسطینی عوام کی آزاد اور خودمختارانہ سرگرمیاں پسند نہیں۔ کیونکہ ان کی آزاد اور خودمختارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے مشرق وسطیٰ کے جھگڑے میں فلسطینی عوام کو ایک آزاد اور خودمختار فریق کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ ایک تیسرے فریق کی حیثیت سے دنیا کو بتانے لگتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کا بنیادی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اسرائیل کی حکومت نے بعض عرب ممالک کے علاقوں پر زبردستی قبضہ کرلیا اور یہ قبضہ ختم ہونا چاہیئے۔ مشرق وسطیٰ کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد بڑی طاقتوں نے ملی بھگت کے ذریعے فلسطین کی سرزمین پر دوسری جگہوں کے یہودی لا بسائے ہیں۔ جنہوں نے مقامی باشندوں کو یہاں سے بھگا کر یہودیوں کی ایک مذہبی ریاست قائم کرلی ہے۔ یہودیوں کی یہ مذہبی ریاست ختم ہونی چاہیئے۔ فلسطینی مہاجرین کو فلسطین میں آباد کیا جانا چاہیئے۔ اور ان کی ایک آزاد خودمختار ریاست قائم ہونی چاہیئے جہاں مذہب و ملت کی کوئی تمیز نہ ہو۔

چنانچہ فلسطینی عوام اب تیسرے فریق کی حیثیت سے اپنا مطالبہ لیکر عرب حکومتوں کے لئے مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ عرب عوام نے اور ان کے ساتھ دنیا کی

اُردن نے فدائین کے خلاف طویل اور ہولناک جنگ کا آغاز کردیا

دوسری انصاف پسند قوموں نے فلسطینیوں کی فریقانہ حیثیت تسلیم کرلی ہے۔ اور فلسطینی چھاپہ ماروں کی اخلاقی اور مادی دونوں طرح سے امداد کررہے ہیں۔ لیکن مشرق وسطیٰ کے جھگڑے میں فلسطینیوں کی فریقانہ حیثیت سے شاید عرب حکومتوں کو اتنا دکھ نہیں پہنچا ہے جتنا کہ بڑی طاقتوں کو ہوا ہے۔

بڑی طاقتوں کو فلسطینیوں کی فریقانہ حیثیت کسی طرح بھی قبول نہیں۔ کیونکہ بڑی طاقتیں اسرائیل کی ریاست کو تسلیم کرتی ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ فلسطینیوں کا مسئلہ صرف اتنا ہے کہ انہیں اسرائیل میں آباد کیا جائے۔

دنیا کی چاروں بڑی طاقتیں چنانچہ سر جوڑ کر اس بات کی کوشش کررہی ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے جھگڑے میں فلسطینیوں کی فریقانہ حیثیت ختم ہو تاکہ مشرق وسطیٰ کا مسئلہ اسرائیل اور عرب ملکوں کے درمیان علاقائی اور سرحدی جھگڑا بن کر رہ جائے۔

سازش کا ایک جال ہے جو کہ بڑی طاقتوں کی طرف سے فلسطینی عوام کے خلاف بچھایا جارہا ہے۔ اس جال کی پہلی کڑی مشرق وسطیٰ میں مصنوعی امن کا قیام ہے۔ اس خطے میں مصنوعی طور پر امن قائم کرکے بڑی طاقتوں نے یہ فائدہ حاصل کیا کہ وہ فلسطینی چھاپہ مار تنظیمیں اور عرب طاقتیں جو کہ جنگ کی بھٹی میں پگھل کر ایک ہو رہی تھیں۔ اور جن کا رخ امریکی سامراج اور اسرائیل کی طرف تھا۔ وہ مصنوعی امن کے ماحول میں پہنچ کر جدا ہوگئیں۔ اور نہ صرف جدا ہوگئیں بلکہ ان کے درمیان چھپے ہوئے تضادات کھل کر معاندانہ شکل اختیار کرگئے۔ نیز ان کے رخ بھی بدل گئے۔ سازش کے اس جال کی دوسری کڑی وہ وفاق ہے جو کہ عراق، شام اور مصر کی حکومتوں کے درمیان روسی ترمیم پسندوں کے زیر سایہ عمل میں آیا ہے۔ یاددہانی بخیمہ گزشتہ سال جب اردنی رجعت پسندوں نے فلسطینی چھاپہ مار تنظیموں کے خلاف فوجی کارروائی کی تھی۔ تو عراق کی حکومت کھل کر چھاپہ ماروں کی حمایت پر اتر آئی تھی۔ اور اس کی فوجیں اردن میں داخل ہوگئی تھیں۔ لیکن آج جبکہ اردنی رجعت پسندوں نے فلسطینی چھاپہ ماروں کے خلاف طویل اور مسلسل جنگ کا آغاز کردیا ہے تو عراقی حکومت ایک بیان تک نہیں دیتی۔ اور سازش کے اس جال کی تیسری بڑی کڑی وہ فوجی کارروائی ہے جو کہ اردن میں چھاپہ مار تنظیموں کے خلاف امریکی سامراج کے ایما پر جاری ہیں۔ فلسطینی مجاہدین کو اس وقت دو محاذوں پر جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ ایک محاذ وہ ہے جو کہ اسرائیل کے موشے دایان نے ان

باقی صفحہ ۴۲ پر

سائیں غریب شاہ



افسانہ

ظہیر اختر بیدری

ٹنڈو اللہ یار کے پڑوسی گاؤں ٹنڈو مستی خاں میں ایک سنڈا مسٹنڈا انسان رہتا تھا جس کا نام سادے خان تھا۔ سادے کی زندگی بھی بڑی سادی تھی یعنی صبح چار بجے کتوں کے رونے کی آواز سن کر نیند سے بیدار ہونا۔ کسی چشمے سے سیر دو سیر سادہ پانی چڑھا کر معدہ اور دماغ کا توازن قائم کرنا۔ اور پھر سادے پانی کی مستی میں جھومتے ہوئے ٹنڈو مستی خان کے دمادم مست وڈیروں کی حویلیوں پر جا کر دو وقت کی روٹی کے عوض ۲۴ گھنٹے کے لئے اپنا سنڈا مسٹنڈا مستی میں چور جسم پیش کرنا۔ ٹنڈو مستی خان کے بعض وڈیرے اس کی سادگی سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ اپنے بچوں کا اکثر اوقات اپنے کتوں کا بچا ہوا کھانا اسے دے دیا جاتا تھا۔ سادے اپنی سادگی کی وجہ سے اس جھوٹے کھانے کو اثر کی نعمت جان کر ٹنڈو مستی خان کے سائیں غریب شاہ کی ہدایت کے مطابق خدا کے حضور میں شکرانہ بجا لاتا تھا، ٹنڈو مستی خان کے مست وڈیرے اس

سے آٹھ آدمیوں کی محنت لیتے اور معاوضے میں دو وقت کے موٹے جھوٹے کھانے کے ساتھ گالیاں جھڑکیاں بھی بطور بونس دیتے تھے۔ سادے کا اپنا کوئی گھر نہ تھا نہ اس کو معلوم تھا کہ اس کا نام سادے کس نے رکھا ہے اور نہ اسے اپنے ماں باپ کا پتہ تھا۔ ٹنڈو مستی خاں کے بزرگوں نے اسے یہ بتایا تھا کہ وہ بستی کے ایک گٹر کے کنارے چیتھڑوں میں لپٹا پایا گیا تھا۔ بزرگوں کا خیال تھا کہ سادے کی ماں نے اپنے گناہ یعنی سادے کو سوسائٹی کے خوف سے گٹر کے پاس ڈال دیا تھا۔ بستی کے لوگ اسے حرامی پلا کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن سادے اتنا سادہ تھا کہ اسے نہ حرام کے معنی معلوم تھے اور نہ پلا کے جب کوئی اسے حرامی پلا کہتا وہ پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگتا۔ اتنا ہنستا کہ اکثر اوقات اسے حرامی پلا کہنے والے خوف سے بھاگ جاتے۔ سادے کو اپنے حرامی پلے کا خطاب بڑا عجیب لگتا۔ بعض اوقات وہ اس خیال سے کچھ معزز سا ہو جاتا کہ بستی کے لوگ اسے ایک منفرد حیثیت کا مالک سمجھتے ہیں۔ حرامی پلے کے خطاب کو وہ اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتا تھا۔ جیسے خان بہادر، ملک صاحب، شاہ جی، ڈاکٹر اور سر وغیرہ اس کی شکل ٹنڈو مستی خاں کے مست وڈیروں سے ملتی جلتی تھی جب اس کو اس بات کا احساس ہوتا کہ اس کی شکل بستی کے وڈیروں سے ملتی ہے تو وہ حیران ہو کر اس اسرار پر غور کرنے لگتا۔ لیکن اس کی سادھی عقل میں اس کا کوئی حل نہ آتا آخر وہ اسی چکر میں ٹنڈو مستی خان کے مست قلندر سائیں ذریب شاہ کے ارشادات کے سہارے نکل آتا۔ سائیں ذریب شاہ کہتا تھا کہ مست وڈیرے دنیا میں سب سے اعلیٰ نسل کے چوپائے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی اپنے آپ کو اعلیٰ نسل کے چوپایوں میں شامل کر لیتا۔ سائیں جب چرس کے ہوائی گھوڑے پر سوار ہوتا تو جھومتے ہوئے کہتا سادے سائیں ملیھے شاہ کی قسم وڈیروں کی نسل کسی نہ کسی پشت میں خدا سے ملتی ہے۔ اور پھر سائیں ذریب شاہ سادے خان کے کان میں بڑے رازدارانہ انداز میں کہتا۔ سادے کسی سے کہنا مت۔ میں خود ہی خدا ہوں یہ سارے وڈیرے ملک اور خان میری اولاد ہیں۔ سائیں ذریب شاہ کی اس بات پر سادے کی ہنسی اس طرح چھوٹ جاتی جس طرح فضا میں طاقتور پھلجڑی چھوٹ گئی ہو۔ وہ پیٹ پکڑ کر اتنا ہنستا اتنا ہنستا کہ سائیں ذریب شاہ کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا اور سادے کو وہ خوف زدہ نظروں سے گھورنے لگ جاتا۔ سائیں ذریب شاہ کے لئے گاؤں کے تمام وڈیروں نے مل کر ایک شاندار خانقاہ بنوا دی تھی اس کی خدمت میں ہر حویلی سے تین وقت اچھے اچھے کھانے آتے۔ مرغن غذاؤں اور بے فکری کی وجہ سے ۵۰ سالہ سائیں ذریب شاہ ۲۵ سال کا گبرو جوان لگتا تھا۔

اس کے علاوہ گاؤں کے مفلس اور مظلوم کسان اپنی مشکلات اور دکھوں کا علاج بھی سائیں ذریب شاہ سے کرواتے تھے۔ جس کے لئے انھیں نذرانے وغیرہ دینے پڑتے تھے۔ سائیں ذریب شاہ کے پاس بستی کے مفلس کسانوں کے ہر مرض کی دوا تھی۔ نزلہ کھانسی سے لے کر دق اور ہیضے تک کے بیماروں کو وہ اپنا جھوٹا پانی دیتا تھا اور ایک دن کے فاقے کے مریض سے لے کر افلاس اور مظلومیت کے ہر اسٹیج کے مریضوں کے لئے اس کے پاس ایک ہی قسم کا تعویذ تھا۔ جسے وہ مظلوموں کے گلوں میں بندھواتا، قریب قریب گاؤں کے سارے لوگوں کے گلے میں سائیں ذریب شاہ کا تعویذ اس طرح بندھا ہوا نظر آتا تھا جس طرح معززین کی بستیوں میں کتے کے گلے میں پٹے بندھے نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ سادے کو دو دن تک کسی وڈیرے کے پاس کام نہیں ملا۔ سادے کا حال جب گاؤں کے چشموں کا پانی پی پی کر بہت پتلا ہو گیا تو وہ سیدھے سائیں ذریب شاہ کے پاس لڑکھڑاتے ہوئے گیا اور شکایت کی کہ دو دن سے کام نہ ملنے کی وجہ سے وہ بھوکا ہے۔ سادے کا بستی میں کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور نہ ہی کوئی ہمدرد جن لوگوں کا کوئی ٹھکانہ اور ہمدرد نہیں ہوتا وہ خانقاہوں اور مزاروں پر فی الوقت گزارتے ہیں۔ اور ملنگوں قلندروں یا باباؤں، سائیوں وغیرہ کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں، سائیں ذریب شاہ کے نعمت خانے میں رکھے ہوئے مرغن کھانوں کی خوشبو سادے کے پیٹ میں نشتر کی طرح چبھ رہی تھی۔ اس نے جب سائیں ذریب شاہ سے کھانے کی فرمائش کی تو ذریب شاہ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ سادے میں تیرا خیر خواہ ہوں تیری عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتا۔ انسان کو اپنی محنت سے حلال کیا ہوا کھانا کھانا چاہیئے۔ ایکبار اگر تو نے بغیر محنت کا کھانا چکھ لیا تو پھر محنت کی روزی سے تو ہمیشہ دور بھاگے گا سادے کے سادہ دماغ میں ذریب شاہ کی بات بالکل نہ آئی۔ لیکن وہ اقرار میں سر ہلاتا رہا۔ سائیں ذریب شاہ نے اپنے ملائم تکیے کے نیچے سے ایک تعویذ نکال کر اسے دیا اور اسے گلے میں باندھ لینے کی ہدایت کی۔ سادے کو سائیں ذریب شاہ کی ہر بات گوارہ تھی۔ لیکن ذریب شاہ کے جھوٹے تعویذ سے اس کو بے انتہا چڑ تھی۔ جب بھی وہ اس تعویذ کو کسی کے گلے میں بندھا ہوا دیکھتا تو اس کے ذہن میں حویلیوں میں رہنے والوں کے کتوں کی تصویر ابھر آتی۔ جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ سائیں سے تعویذ لے کر وہ بھوک کی پرواہ کئے بغیر چل دیا۔

اسے اس تعویذ کا اسرار جاننے کی بڑی خواہش

تھی۔ جس سے بے اولادوں کو اولاد اور مفلسوں کو دولت پریشان حالوں کو سکون مل جاتا تھا لیکن اس کی بد قسمتی یہ تھی کہ آج تک وہ کسی ایسے انسان سے نہیں مل سکا تھا جسے گلے میں ـــــ ذریب شاہ کی تعویذ باندھنے سے کوئی فائدہ ہوا ہو۔ اس کے باوجود سائیں ذریب شاہ کے جھوٹے پانی اور تعویذ کا دور دور تک چرچا تھا۔ سادے ذریب شاہ کا تعویذ ہاتھ میں لئے جا رہا تھا کہ راستے میں اسے اسکول کا لڑکا ملا۔ سادے نے اس کا بازو پکڑ لیا اور تعویذ اس کے ہاتھ پر رکھکر درخواست کی کہ اِس تعویذ میں کیا لکھا ہے وہ اسے بتائے۔ اسکول کے بچے نے کالے دھاگے میں لپٹے ہوئے کاغذ کو کھولا تو اس میں ایک گول چکر کے درمیان صرف "سائیں ذریب شاہ" لکھا ہوا نظر آیا۔ بچے نے یہی بات سادے کو بتادی۔ سادے بڑا حیران ہوا کہ اس مشہور کرامتی تعویذ میں سوائے ایک گول چکر اور ذریب شاہ کے نام کے، درکچھ نہیں۔ اس کے سادہ ذہن میں اچانک یہ بات آئی کہ آج ذریب شاہ کے تعویذ کا امتحان لینا چاہیئے۔ باوجود سخت نفرت کے سادے نے اپنے ہاتھوں سے ذریب شاہ کا تعویذ اپنے گلے میں باندھ لیا۔ تعویذ کو گلے میں باندھنے کے بعد اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی کسی حویلی کا کتا ہے۔ اس کے سادے ذہن میں اپنے ہی خلاف نفرت کی ایک تیز لہر دوڑ گئی اسے یوں لگنے لگا کہ اب وہ پنجوں کے بل چلتے ہوئے بھونکنے لگا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ پاؤں غصے کے مارے اینٹھنے لگے۔ دنیا میں اگر اسے کسی شئے سے نفرت تھی تو وہ تھا کتا ـــــ خصوصاً ان کتوں کو دیکھکر تو اس کا خون ہی کھول جاتا جو بڑی بڑی حویلیوں کے گیٹ پر کھڑے ہو کر غریب کسانوں پر بھونکتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اسے اپنی بستی کے ان کتوں سے بھی سخت نفرت تھی جو روٹی

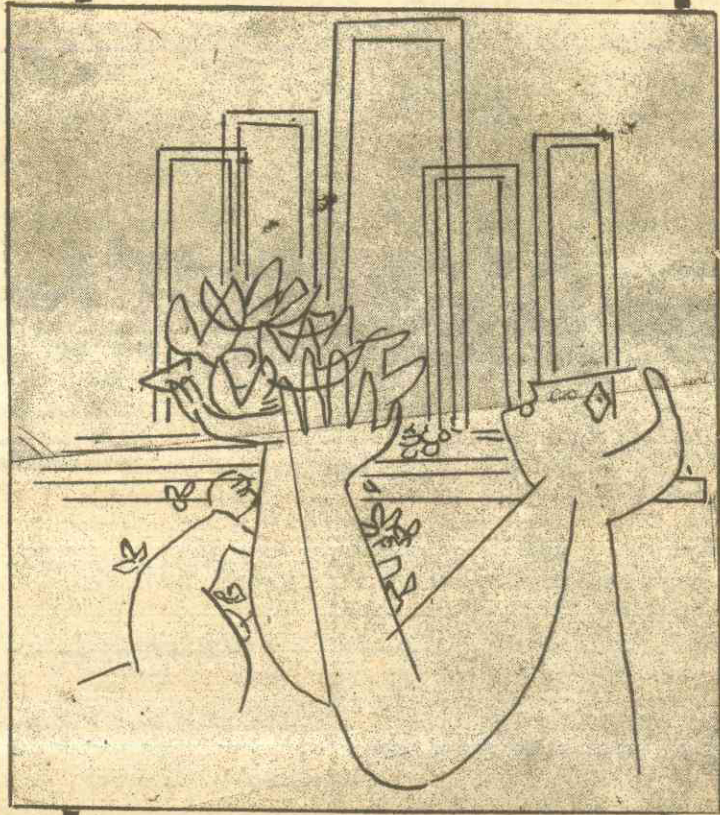
کا ٹکڑا دیکھکر دم ہلانے لگتے ہیں۔ کتوں سے سادے کی یہ نفرت تعویذ کے ذریعہ بستی کے لوگوں تک پہنچ گئی تھی۔ اور اپنے گلے میں سائیں ذریب شاہ کا تعویذ باندھکر اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بھی ایک کتا ہے سائیں ذریب شاہ نے ایکبار سادے کو بتایا تھا کہ یہ تعویذیں اسے بستی کا وڈیرہ یعقوب توڑو شہر سے چھپوا کر لادیتا ہے۔ سادے کے سادہ ذہن میں یہ سیدھی سی بات بڑی سادگی سے آنے لگی کہ بستی کے وڈیرے نے سائیں ذریب شاہ کے ذریعہ بستی کے سارے مفلس کسانوں کو کتا بنا دیا ہے۔ جن کا کام اِن بستیوں کی رکھوالی اور کھیتوں پر محنت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ دو دن کے فاقے میں اگرچہ کہ اس کا جسم بڑا کمزور ہو گیا تھا لیکن اس سادہ سی بات کے ذہن میں آتے ہی سادے کے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑکنے لگیں۔ اور چلتے چلتے اس نے یا حیدر کا ایک زوردار نعرہ لگایا ـــ جو بستی کی فضا میں نیپام بم کی طرح پھٹ پڑا اور دور دور تک روشنی پھیل گئی۔ سادے کا سادہ ذہن اب بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ویسے بھی حکماء کا کہنا ہے کہ جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو ذہن تیزی سے کام کرنے لگتا ہے۔ سادے کی آنکھوں کے سامنے سے اب تیزی کے ساتھ دھند چھٹتی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے اس کے ذہن میں اُجالا پھیل رہا تھا۔ ویسے ویسے اسکی رفتار بڑھ رہی تھی۔ اس کے قدم لاشعوری طور پر گاؤں کے سب سے بڑے وڈیرے یعقوب توڑو کی کوٹھی کی طرف اٹھنے لگے۔ سادے یہ بالکل نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ یعقوب توڑو کی کوٹھی کی طرف کیوں جا رہا ہے اور اس کے قدم اتنی تیزی سے کیوں اٹھ رہے ہیں۔ اس کی مٹھیاں اتنی تیزی سے کیوں بھنچی

جا رہی ہیں جس طرح روس لونا ۹ اکو سائنسی کمپیوٹر سیدھے چاند کی سطح کی طرف لے گئے تھے۔ اسی طرح آج سادے کے شعور کا کمپیوٹر اسے سیدھے یعقوب توڑو کی کوٹھی کی طرف لے جا رہا تھا۔ جیسے جیسے توڑو کی کوٹھی قریب آ رہی تھی اس کی رفتار میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ راستے میں کچھ لوگوں نے اسے پاگلوں کی سی بھیانک شکل بنائے۔ بھاگتے دیکھکر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن سب ہی جانتے تھے کہ اس کے اسکرو ڈھیلے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اس کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا وہ راکٹ کی طرح یعقوب توڑو کی کوٹھی کی طرف چلا جا رہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ راکٹ کی طرح یعقوب توڑو کی کوٹھی سے ٹکرا کر پھٹ جائیگا۔ اور پھر حویلی آنِ واحد میں ملبے کے ڈھیر میں بدل جائیگی۔ لیکن جیسے ہی وہ کوٹھی کے گیٹ پر پہونچا اس میں اچانک حیرت انگیز تبدیلی آگئی وہ حویلی کے گیٹ پر شان سے کھڑے ہوئے توڑو کے کتے کو دیکھکر رک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے سائیں بابا کا تعویذ اس کے گلے کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ بے خیالی میں اپنے گلے کو سہلانے لگا۔ حویلی کی آسمان سے گلے ملتی ہوئی دیواروں کو دیکھکر اس کے ذہن میں کچھ دیر پہلے اٹھا ہوا نفرت کا طوفان خوف کے ساحل سے ٹکرا کر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس غیر ارادی تبدیلی پر مارے غصے اور شرمندگی کے اس کے چہرے پر بھارت کے قومی پرچم جیسے کئی رنگ بکھر گئے اور وہ توڑو کے کتے کے جواب میں خود بھی بھونکنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا کہ اس کے شعور کا کمپیوٹر حویلی کے خوف کے دباؤ سے خراب ہو گیا ہے۔ سادے کو اس طرح بھونکتا دیکھ کر دوسری منزل کی بالکنی پر کھڑے ہوئے یعقوب توڑو کے بچے

مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ گئے۔ اس کی نظر جیسے ہی ان ہنستے ہوئے بچوں پر پڑی۔ سائیں فریب شاہ کی تصویر اس آنکھوں میں گھوم گئی۔ ایک بچہ ہوبہو سائیں فریب شاہ سے ملتا جلتا تھا۔ وہ اچانک اٹھا اور راکٹ کی سی تیزی سے ساتھ واپس دوڑنے لگا۔ اس کا رخ اب سائیں فریب شاہ کی خانقاہ کی طرف تھا۔ بستی پر شام کا ہلکا سا دھندلکا چھا رہا تھا۔ وہ اندھیروں کو پیچھے چھوڑتا ہوا فریب شاہ کی خانقاہ کی طرف۔۔۔ چلا جا رہا تھا۔ غالباً اس کے شعور کا کمپیوٹر پھر کام کرنے لگا تھا۔؟ جب وہ خانقاہ میں داخل ہوا تو سائیں فریب شاہ کے کمرے سے اسے کسی لڑکی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ اسی رفتار سے سائیں فریب شاہ کے دروازے سے جا ٹکرایا۔۔ بولٹ گیا ہوا دروازہ ۔۔۔ دھماکے سے کھل گیا۔ بجلی کی دودھیا روشنی میں یعقوب توڑو کی چوتھی نوجوان بیوی کے دودھ جیسے برہنہ جسم کو دیکھ کر جس پر سائیں فریب شاہ کتے کی طرح منہ مار رہا تھا۔ سادے کی کنپٹیاں جلنے لگیں اور پھر بے اختیار اس کے ہاتھ مسہری کے قریب رکھے ہوئے وزنی حقے کی گردن پر جمے۔ اس نے پوری قوت سے حقہ سائیں فریب شاہ کے سر پر دے مارا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ سائیں فریب شاہ کا گنبد نما سر معمولی ناریل کی طرح دو تین ٹکڑوں میں بدل گیا۔

فریب شاہ کا بھیجا اس کے مقدس چہرے پر سے یوں اترنے لگا جیسے جلتی ہوئی موم بتی سے موم اترتا ہے سادے کی نفرت کا طوفان پھر بھی نہ تھما اس نے حقے کی کئی اور ضربیں فریب شاہ کے سر اور چہرے پر لگائیں جب سائیں فریب شاہ کا چہرہ تجریدی آرٹ کا شاہکار بن گیا تو اس نے ایکبار پھر یا حیدر کا زوردار نعرہ لگایا۔ اور ایک اچٹتی سی نظر مسہری پر لیٹی ہوئی یعقوب توڑو کی چوتھی بیوی کے دودھیا جسم پر ڈالی جو مارے خوف کے زرد ہو گئی تھی۔ اور کسی نہ معلوم جذبے کے تحت اپنے گلے سے تعویذ اتار کر اس نے اسے سائیں فریب شاہ کے کٹے پھٹے گلے میں باندھ دیا۔ اور سائیں فریب شاہ کو اپنی ہی تعویذ میں بند ہوا دیکھ کر پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگا۔ جب وہ خوب قہقہے لگا چکا تو اسے سخت کمزوری محسوس ہونے لگی۔ اسے اچانک خیال آیا کہ وہ دو دن سے بھوکا ہے۔ اور بھوک کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں فریب شاہ کے نعمت خانے کی خوشبو جاگ اٹھی اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا نعمت خانے میں گیا اور پاگلوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ مسہری پر برہنہ پڑی ہوئی یعقوب توڑو کی چوتھی بیوی حیرت سے اس پاگل کو دیکھ رہی تھی جو ایک جوان اور پرشباب برہنہ جسم کو نظر انداز کر کے روٹی پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ حیرت سے سوچ رہی تھی روٹی کی کشش پرشباب عریاں جسم کی کشش پر کس طرح غالب آجاتی ہے۔ ادھر سادے کے حلق میں جیسے جیسے کھانا اتر رہا تھا ویسے ویسے اس کا دماغ جاگ رہا تھا۔ فریب شاہ کی خانقاہ میں اسے آج ہر طرف اجالا ہی اجالا نظر آ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے سائیں فریب شاہ کی تاریک خانقاہ میں بند کسی سورج کو آزاد کرا لیا ہے۔ اور اس سورج کی آزاد کرنیں آہستہ آہستہ بستی پر پھیلے ہوئے اندھیروں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

۲۱ فروری سنہ ۱۹۵۲ء کی تحریک کا پس منظر — ۱



مشرقی پاکستان کے ساتھ ناانصافیوں کی داستان طویل ہے

محبوب جمال زاہدی، سیکرٹری جنرل رائٹرز گلڈ

مشرقی پاکستان کے عوام ۲۱ فروری کے لئے ہمیشہ ایک یادگار دن کی حیثیت سے زندہ رہے گی۔ آج سے ۱۹ سال قبل اسی دن مشرقی بنگال کے عوام کی ایک بڑی تعداد نے اپنی مادری زبان کے تحفظ اور ارتقا کے لئے اپنی زندگیاں نچھاور کر دی تھیں۔ اور مادر وطن کا سینہ اپنے خون سے لالہ زار کیا تھا۔ زندگیوں کا یہ نذرانہ انہوں نے ایک عظیم مقصد کی خاطر دیا تھا۔ ایک عظیم تحریک کی خاطر، جو صرف بنگالی زبان کی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کی تحریک تھی جنہیں اپنی مادری زبان سے پیار ہے۔ جو اس پر فخر کرنا اور اس کی خاطر متاع جان تک لٹا دینا جانتے ہیں۔

۱۹۵۲ء کی یہ تحریک فقط زبان کی تحریک نہیں تھی۔ بلکہ یہ عوام کے جمہوری حقوق حاصل کرنے کی تحریک تھی۔ وہ حقوق جن کی بنیاد پر کبھی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ جنہیں کبھی فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جو بنگال کے عوام کو نوکر شاہی اور اپنے مخصوص مفادات کے دوسرے علمبرداروں نے ایک سازش کے تحت کبھی تفویض نہیں کئے۔ یہ تحریک اسی ناانصافی کے خلاف احتجاج تھی۔ اور درحقیقت یہ لسانی تحریک ان تحریکوں کی پیش بندی تھی جنہوں نے ۱۹۵۴ء میں متحدہ محاذ کے ۲۱ نکات کی شکل میں مشرقی پاکستان سے مسلم لیگ کی جڑوں تک کو اکھاڑ پھینکا۔ پھر ۱۱ نکات کی شکل میں ایوب خاں کے آمرانہ تسلط سے نجات حاصل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ اور اب عوامی لیگ کے چھ نکات کی حمایت میں مشرقی پاکستان کے عوام کی اکثریت کا اعتماد حاصل کیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ لسانی تحریک ایک انتہائی اہم مقام رکھتی ہے۔ اور یہ تاریخ پاکستان کا ایک موڑ بن گئی ہے۔

لسانی تحریک کی تاریخ مسلسل وعدہ شکنیوں جفاکاریوں، دھوکہ بازیوں کی تاریخ ہے۔ یہ اکثریت کو اس کے حقوق سے محروم کرنے اور اسے اس کا جائز حصہ نہ دینے کی تاریخ ہے۔ اس تحریک کی تاریخ ہمیں نوکر شاہی کی بالادستی اور عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر اقتدار اپنی جیب میں رکھنے کی کہانی سناتی ہے۔ یہ تاریخ اس پوری داستان کا احاطہ کرتی ہے کہ کس طرح اپنے مخصوص مفادات کا تحفظ کرنے والی طاقتوں نے عوام پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے کیا کیا ستم ڈھائے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ تحریک ان بے شعور سیاستدانوں کا مرثیہ بھی سناتی ہے جنہوں نے اقتدار کی چوکھٹ پر سجدہ ریزیوں کے علاوہ کسی اور فن میں مشاقی حاصل نہیں کی۔

یہ تحریک ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کو اپنے کمال پر پہنچی لیکن اس کی بنیاد ۱۹۴۸ء کے اوائل بلکہ ۱۹۴۷ء کے وسط میں اس وقت پڑ گئی تھی جبکہ برطانوی حکومت نے پاکستان اور بھارت کی آزاد حکومتوں کو اقتدار کی منتقلی کا فیصلہ کیا تھا۔ ۳ جون کے منصوبہ کے اعلان کے بعد ہی سے سیاسی اور اقتصادی مفادات رکھنے والوں نے اس وقت کی نوکر شاہی کے ساتھ جس میں کہ غیر بنگالیوں کی اکثریت تھی مل کر قرارداد لاہور کا مقصد خبط کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ اور اس قرارداد کو جس کی بنیاد پر پاکستان کی تشکیل ممکن ہوئی تھی اور جس میں علاقائی یونٹوں کو خود مختار

اور مقتدر قرار دیا تھا، مسخ کرنے کے لئے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کردیا تھا۔ سازشیوں کے اس متحدہ محاذ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے جن بہت سے اقدامات کا منصوبہ بنایا تھا اور جن پر پاکستان بننے کے بعد عملدرآمد کیا گیا، ان میں ایک اہم اقدام یہ تھا کہ نئی مملکت میں صرف ایک زبان کو قومی زبان کا درجہ دے کر اس کا تسلط برقرار رکھا جائے ۔ لہٰذا اس کام کے لئے اردو زبان کا انتخاب کیا گیا۔ انہوں نے اپنے اس سیاسی اور اقتصادی مفادات کو مذہب اور قومی استحکام کا نام دیا۔ لیکن اس سارے عمل کے دوران میں انہوں نے ان حقیقتوں کو فراموش کردیا کہ اردو ان میں سے کسی صوبے کی زبان نہیں ہے جن پر نئی مملکت پاکستان کی تشکیل ہوگی۔ بنگالی نئی مملکت کی اکثریتی آبادی کی زبان ہے ۔ بنگالی مسلمان اردو نہ بولنے کے باوجود برطانوی ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کی نسبت مذہب سے زیادہ والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ بنگال کے عوام ادب و ثقافت کے ورثوں سے مالامال ہیں ۔ پھر ان سب سے بڑھ کر، مفادات کے علمبردار تاریخی طور پر تسلیم شدہ یہ حقیقت بھی بھول گئے کہ زبان کبھی اوپر سے یا باہر سے نہیں ٹھونسی جاتی ۔ اس کا خمیر اسی زمین سے اٹھتا ہے اور اسی زمین کی سوندھی سوندھی خوشبو اسے مہکاتی ہے۔

نوکرشاہی اور اس کے اتحادیوں کی اس سازش کے خلاف نوجوانوں نے، جنہوں نے آزاد مملکت کے حصول کے لئے عظیم قربانیاں دی تھیں، زبردست احتجاج کیا۔ بنگال میں مسلم لیگ کے پرانے محافظوں نے اس سازش کی طرف سے نہ صرف اپنی آنکھیں بند رکھیں بلکہ بڑی حد تک دھمکیوں اور دباؤ کے ذریعے اسے معاونت بھی فراہم کی۔ اس وقت جبکہ پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا نئی مملکت کی زبان کے مسئلے پر اختلاف رائے پیدا ہو چلا تھا۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے یہ تجویز پیش کی کہ اردو کو پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت دی جائے۔ مسلم لیگ نے اس وقت اس تجویز کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ ڈاکٹر شاہد اللہ نے اس کی پرزور مخالفت کی ۔ انہوں نے ایک اخباری مضمون "ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے" لکھا اور اس میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانا، جیسا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے تجویز کیا ہے۔ نہ صرف سائنسی تعلیم کے خلاف اور اصولی اعتبار سے غلط ہے بلکہ صوبائی خودمختاری کے تسلیم شدہ حق کے بھی منافی ہے ۔ ڈاکٹر شاہد کے اس مضمون کے ساتھ ہی تمام ادیب، دانشور، ماہرین تعلیم اور سیاسی کارکنان اس تجویز کی مخالفت میں شریک ہوگئے ۔ اور انہوں نے اس سلسلے میں بنگال کے موقف کی پرزور حمایت شروع کی۔

لیکن مقتدر طاقتوں کے نزدیک رائے عامہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ان طاقتوں نے اپنے منصوبہ پر عملدرآمد کرنے کا کام جاری رکھا۔ حالانکہ پوری فضا مسموم تھی۔ لوگ اس مسئلے پر بے حد حساس اور جذباتی تھے ۔ لیکن انہوں نے مشرقی بنگال میں وہ اقدامات کئے جو کہ عالمی طور پر قابل مذمت شمار ہوتے ہیں۔ اس طرح جلتی ہوئی آگ پر مزید تیل چھڑکنے کی کوشش

میں جانبدار ہوں

شمس الرحمٰن

مجھے محبت ہے گھاس کے اندر چھپے ہوئے زہریلے ناگ سے !

کیوں کہ وہ اتنا بے رحم نہیں ہوتا جتنا ایک بے وفا دوست !

مجھے محبت ہے خون چوسنے والی اندھی چمگادڑ سے

کیونکہ وہ ایک نقاد سے زیادہ مہربان ہوتی ہے

مجھے محبت ہے بچھو کے ڈنک سے

کیوں کہ یہ ڈنک بے وفا محبوب کے جذبات انگیز

بوسے سے زیادہ شیریں ہوتا ہے

مجھے محبت ہے جنگل کے خونخوار شیر سے

کیونکہ وہ ڈکٹیٹر کی طرح سازش دشمنی

سے ناواقف ہوتا ہے !

(بنگلہ سے ترجمہ)

یہ صرف زبان کی نہیں بلکہ جمہوری حقوق کی تحریک تھی

کی اور عوام کے جذباتی ابال کو انتہا تک پہنچا دیا۔ ان اقدامات میں سے چند حسب ذیل تھے۔

(أ) پاکستان کی تخلیق کے بعد ڈاک کے جو ٹکٹ، منی آرڈر فارم، کرنسی نوٹ، اور سکے جاری کئے گئے ان میں عبارت صرف انگریزی اور اردو زبان میں تحریر کی گئی۔

(ب) کراچی میں دسمبر ۱۹۴۷ء میں ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس بات کی سفارش کی گئی کہ پاکستان کے تمام اسکولوں اور کالجوں کے نصابوں میں اردو کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔ اور اسے پاکستان میں مختلف علاقوں میں شامل کی جانے والی مخلوط زبان قرار دیا جائے۔

(ج) ۱۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کی رولز آف پروسیجر کمیٹی نے اس بات کی سفارش کی انگریزی اور اردو کو اسمبلی کی سرکاری زبانوں کی حیثیت سے اپنایا جائے۔

(د) پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں جو ۲۳ فروری ۱۹۴۸ء کو شروع ہوا تھا یہ قرارداد مسترد کر دی گئی کہ بنگالی کو اردو اور انگریزی کے ساتھ اسمبلی کی سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں کے علاوہ مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین نے بھی اس کی مخالفت کی اور یہ دعویٰ کیا کہ بنگال کے عوام کی اکثریت اردو کو پاکستان کی واحد زبان کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہتی ہے۔ غالباً یہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ بنگال سے تعلق رکھنے والے مسلم لیگ کے تمام ارکان نے اپنے لیڈر کی پیروی کی۔ عوام نے ان پر اعتماد کر کے انہیں اسمبلی میں اپنی نیابت کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے ان کے اس اعتماد کو فروخت کرنے میں کسی پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ اس کے ساتھ ہی خواجہ ناظم الدین نے اس معاہدے سے بھی انحراف کیا جو انہوں نے ۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ڈھاکہ میں طلبہ مظاہرین سے کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ وہ بنگالی کو قومی زبان بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی جن میں سول سپلائیز کے وزیر مسٹر نورالامین، وزیر خوراک مسٹر افضل، وزیر مالیات مسٹر حمید الحق چودھری اور وزیر تعلیم مسٹر عبدالحمید شامل تھے۔ اسی سال ۵ دسمبر اور ۱۲ دسمبر کو مظاہرین کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ اگر وہ بنگالی کو پاکستان کی قومی زبانوں میں سے ایک تسلیم کرانے میں ناکام رہے تو مستعفی ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے صرف تین ماہ بعد ہی انہوں نے عوام کے ساتھ ایک بے مثال غداری کی اور دھوکہ دہی وعدہ فراموشی اور وعدہ شکنی کی روایتی مثال قائم کی۔

طلبہ برادری، ادیب اور دانشور طبقے نے توقع کے مطابق دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مسترد ہونے کے خلاف شدید رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ بنگالی کے

خلاف اسمبلی کے اس فیصلے پر ۲۶ رفروری ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ کے تمام تعلیمی اداروں میں مکمل ہڑتال ہوئی اور بنگالی کو پاکستان کی قومی زبان کا درجہ دلانے کے لئے ایک جماعتی مجلس عمل تشکیل دی گئی۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۴۸ء کو صوبائی سطح پر عام ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔ یہ ہڑتال ڈھاکہ اور مشرقی پاکستان کے دوسرے ضلعوں اور بڑے شہروں میں پوری طرح کامیاب ہوئی۔ ڈھاکہ میں سرکاری ملازموں، ریلوے کے مزدوروں اور دوسرے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد بھی ہڑتال میں شریک ہوئی۔ پولیس نے ہڑتالیوں پر اپنے روایتی تشدد سے کام لیا۔ اور بڑی تعداد میں گرفتاریاں کیں۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً نو سو طلبہ گرفتار کیے گئے۔ ۶۹ کو حراست میں رکھا گیا اور پولیس سے تصادم میں دو سو طلبہ زخمی ہوئے۔ یہ ہڑتال ۱۱ر مارچ کو ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ پولیس کے اس ظالمانہ ظلم و ستم کے خلاف طلبہ کا احتجاج ۱۵ر مارچ تک جاری رہا۔

اسی دوران میں مشرقی پاکستان اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ ایوان میں خواجہ شہاب الدین کو نہ صرف حزب اختلاف کے ہاتھوں بلکہ مسلم لیگ کے ان اراکین کے ہاتھوں جو کہ ان کے گروپ میں شامل نہ تھے بلکہ صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ایک کڑے وقت سے دوچار ہونا پڑا۔ ایوان کی کڑی نکتہ چینی کا مقابلہ کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ کو مجلس عاملہ کے ایک وفد سے ملاقات کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور اس ملاقات میں انہوں نے ایک آٹھ نکاتی پروگرام پر دستخط کئے۔ ان میں دو بنیادی نکتے یہ تھے کہ صوبائی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جائے گی جس میں بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دلانے کی سفارش کی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی وزیر اعلیٰ وفد سے بات چیت کے بعد اس بات پر متفق ہو گئے کہ لسانی تحریک ملک کے دشمنوں کی چلائی ہوئی نہیں ہے۔ معاہدہ کی رو سے لسانی تحریک کے سلسلے میں گرفتار ہونے والے تمام طلبہ کی رہائی کے انتظامات بھی کئے گئے

(باقی آئندہ)

سرورق کی کہانی

انقلاب کا راستہ صرف ایک ہے

یہ خاتون پاکستان کے مزدوروں، کسانوں اور مظلوم طبقے کی نمائندہ ہیں۔ طوفان زدہ ماحول کی عکاسی کرتی ہیں۔ اور اس درخت کے سائے تلے مستقبل کا انتظار کر رہی ہیں۔ جن کے پتے جھڑ چکے ہیں۔ اور ٹہنیاں خشک ہیں۔ جب پاکستان بنا تھا تو یہ درخت سر سبز و شاداب تھا۔ اس کے ارد گرد ہریالی تھی۔ اس وقت کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ آنے والے دنوں میں اتنے طوفان آئیں گے، سرخ آندھیاں چلیں گی کہ صرف اور صرف محنت کش طبقہ پس جائے گا۔ چند خاندانوں کی اجارہ داری ہوگی اور باقی کروڑوں انسان بھوک، افلاس، بیماری اور بے بسی کی زندگی بسر کریں گے۔

۲۳ سال تک طوفانوں اور آندھیوں کا مقابلہ کرنے والے کروڑوں نحیف و نزار، بھوکے ننگے اور بے یار و مددگار انسانوں نے دسمبر ۷۰ء کے انتخابات میں حالات کا رخ موڑنے کے لئے اپنی مرضی استعمال کی۔ یہ عمل جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے خلاف بغاوت کے مترادف قرار پایا۔ سرکشوں نے ان سیاسی جماعتوں کے حق میں فیصلہ دیا۔ جن کے منشور میں معیشت کی بنیاد سوشلزم ہے۔ اس طرح مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی اکثریتی پارٹیوں کے طور پر ابھریں۔ عوام خوش تھے کہ دھن، دھونس، دھاندلی کو مات ہو گئی۔

لیکن ۸ر دسمبر ۷۰ء سے وطن کی سرزمین پر مزدوروں، کسانوں اور مظلوم طبقے کو نیست و نابود اور صفحۂ ہستی سے مٹانے والے طوفان اور آندھیاں پہلے سے تیز ہو گئیں۔ زندہ لاشوں کی حالت بری ہونے لگی۔ روٹی، کپڑے اور مکان کے طالب بھی سہولتوں سے بھی محروم ہو گئے۔ عوام نے پلٹ کر دیکھا تو چاروں طرف سے تیر برس رہے تھے، جاگیردار سرمایہ دار اور نوکر شاہی کے متحدہ مورچے سے باغیوں کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ووٹ کے ذریعے انقلاب، بلیٹ کے ذریعے انقلاب، اسمبلیوں کے ذریعے انقلاب لانے والوں کو مدد کے لئے پکارا گیا تو مشرق اور مغرب سے صدائیں گونجیں، دستور سازی کا اہم مرحلہ درپیش ہے۔ صبر کرو۔

عوام کو ڈھارس بندھی، انہوں نے اجازت دے دی دستور بنالو۔ ہم چاہے اسی عرصے میں دم توڑ دیں۔ لیکن اپنے دستور میں ہماری نسلوں کے روشن مستقبل کی ضمانت دے دینا۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ سرمایہ دار، جاگیردار اور نوکر شاہی کتنے مضبوط ہیں۔ دستور سازی کا مرحلہ دشوار ہو گیا۔ مجیب نے کہا، چھ نکات اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اکثریت نے چھ نکات کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے، مانو تمہاری مرضی۔ نہ مانو تو ڈر نہیں۔ بھٹو نے کہا ایسی اسمبلی میں نہیں جائیں گے جہاں ہماری بات تک نہیں سنی جائے گی۔

لیڈر دستور سازی کا مرحلہ طے کرنے میں مصروف ہیں، مزدور، کسان اور مظلوم طبقہ پس رہا ہے۔ چھ نکات کی گونج سے پورا ملک لرز اٹھا ہے۔ مظلوموں کا ایک نکتہ — روٹی، کپڑا اور مکان — دور دور تک سنائی نہیں دیتا۔ اسے سننے کے لئے کان ترس گئے ہیں۔ یہی حالت رہی تو ووٹ کے ذریعے انقلاب لانے والے ایک ہی صورت میں رہنمائی کا فریضہ ادا کر سکیں گے کہ وہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے خلاف عملی جدوجہد میں شامل ہو جائیں کہ انقلاب کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

ہنزہ سے چاٹگام تک

لاہور کے ہوٹلوں میں کمیونسٹ پارٹیاں ڈھل رہی ہیں

لاہور ۔ نمائندہ خصوصی

ہمارے ادب میں ترقی پسند تحریک نے جو حصّہ ڈالا ہے، وہ کسی بھی دیانت دار صاحب نظر ادیب، دانشور اور نقاد سے ڈھکا چھپا نہیں ہے اردو میں اس تحریک کے بانیان میں منشی پریم چند اور اقبال تھے۔ اگر اردو ادب کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ترقی پسند تحریک کا ایک ہلکا پھلکا خاکہ حالی کے ذہن میں تھا۔ پھر ڈپٹی نذیر احمد سے لے کر نظیر اکبر آبادی تک نے ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کے نظریے کو اپنا کر ترقی پسند تحریک کے لئے زمین ہموار کی۔

تقسیم ملک کے وقت ترقی پسند تحریک ایک باضابطہ تنظیم تھی۔ مگر ملک میں امریکی سامراج کا اثر نفوذ ہوتے ہی اس تحریک کی منظم شکل یعنی "انجمن ترقی پسند مصنفین" کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا اور اس انجمن پر پابندی لگا دی گئی۔ وہ مصنفین جو اس انجمن کے روح رواں تھے۔ انھیں پسِ زنداں بھیج دیا گیا۔ انجمن کے رسائل و جرائد پر ایک منصوبے کے تحت رجعت پسند اور "آزاد خیال" مصنفین مدیران کا قبضہ کرا دیا گیا۔ آہستہ آہستہ اس تحریک کو کچلنے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے گئے، جن میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ سامراج نے ادیبوں کو بھاری معاوضے کا لالچ دے کر مکتبۂ فرینکلن جیسے اشاعتی اداروں کی ڈالری ڈور میں باندھا اور وہ ادیب جن کی کتابوں کو پڑھنے والے تول کے بھاؤ نہ خریدتے تھے دھڑا دھڑ "باشتراک مکتبۂ فرینکلن" کے سنہری دام میں دانہ دُنکا چگنے لگے۔ جو بچے وہ ایوب خان کی گلڈ کا شکار ہوئے۔ یوں ادب کا میدان خود بخود رجعت پسند ادیبوں کے لئے خالی ہو گیا۔

پھر اس صحرائے بے آباد میں محنت کشوں کے ایک بیٹے کی آواز اُبھری۔ اس کا نام حبیب جالبؔ تھا۔ حبیب جالبؔ نہ تو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور نہ اُسے کسی نام نہاد انجمن یا جماعت کا بہت اہم رکن ہونے کا دعویٰ تھا۔ وہ اپنی وضع قطع، رہن سہن، میل ملاپ، بول چال، اظہار و ابلاغ۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے عوامی تھا اُس نے کسی کا انتظار کئے بغیر اپنی اکیلی آواز کو آمریت کے خلاف بلند کیا۔ اُسے قید کیا گیا۔ سرکاری، درباری شاعروں میں شامل ہونے سے روک دیا گیا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دروازے اس پر بند کر دیئے گئے مگر وہ کہتا رہا ؎

ایسے دستور کو — صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا — میں نہیں مانتا

اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب درد میں ڈوبی ہوئی یہ آواز بچے بچے کی زبان بن گئی۔ شاید ایسے ہی کسی موقع پر افلاطون نے کہا تھا "جب نغمے کی لے بدلتی ہے تو حکومتیں بدل جاتی ہیں!" اور — یہ عہدِ ستم بدل گیا۔

جالب جیت گیا — آمر ہار گیا.....!

اس کے بعد ملک میں جمہوریت کی بحالی کا اعلان ہوا اور موجودہ صدر یحییٰ خاں نے عوامی جدوجہد کے نتیجہ میں حالیہ انتخابات منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔ جالبؔ کو نہ جانے کس سر پھرے نے مشورہ دیا کہ اُسے ولی خاں نیپ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑنا چاہیئے مشورہ غلط تھا۔ اس لئے انجام بھی درست نہ ہوا۔ اور اب "پورس کاشمیری" نے عوام کے اس پیارے شاعر کے زخم پہ نمک پاشی کے لئے کاغذی چٹان میں لکھا ہے ؎

شکست فاش کھا کر ایک شاعر
پریشان ہے خود اپنی ابتلا سے

پندرہ اشعار کی اس نظم میں حضرت "پورس کاشمیری" نے جناب حبیب جالبؔ کو طعن و تشنیع کے تیروں کا ہدف بنایا ہے۔ لیکن اس سے جالب کے مقام اور مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اگر ایک اس طرف ہارا ہے تو ادھر تو یار لوگوں کی بساط ہی الٹ گئی ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ جہاں جالب پر تنقید کی گئی وہاں اپنے "اسلام پسندوں" کی عبرتناک شکست پر بھی ایک عدد مرثیہ لکھا ہوتا۔ مگر ۱۹۶۵ء کے مادرِ ملت اور ایوب خاں کے انتخاب کے دوران ایوب آمر کی اسٹیج سجانے والے اور تقریر کی کوشش میں ناکام رہنے والے "پورس کاشمیری" نے جہاں جالبؔ جیسے عظیم عوامی شاعر اور سیاسی رہنما پر کیچڑ اچھالی ہے وہاں اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے ؎

میں خطیب العطر ہوں شاہِ اُمم کے فیض سے
ہر جامِ ہے مرے زورِ قلم کا خوشہ چیں!

اس شاعرانہ "بھڑک" پر صرف فلمی اداکار مظہر شاہ خوش ہو سکتا ہے۔ ہم اُسے شاعرانہ تعلّی بھی کہنے کو تیار نہیں۔ البتہ اس خطیب اعظم کی خدمت میں اتنا ضرور عرض کریں گے

ترے کام کچھ نہ آیا، ترا کمال بے نوازی

مذکورہ بات تو خیر ضمنی ہے۔ اصل موضوع یہ ہے کہ اب جبکہ ملک سوشلسٹ طرزِ معیشت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ترقی پسند مصنفین کو اپنی صف بندی کرنی چاہیئے۔ کہ رجعت پسند ادیب اور "خطیب العطر" اب بھی اپنے زہریلے ڈنک لئے بچھوؤں کی طرح تاک لگائے بیٹھے ہیں۔ ضروری ہے کہ نوجوان اور باعمل ادیب اس طرف فوری توجہ دیں اور نثر نظم سے سیاسی مضامین تک، ہر صنف فن پر محنت کر کے ثابت کر دیں کہ ترقی پسند تحریک زندہ ہے اور زندہ رہنے کے قابل ہے۔ اسے کوئی نہیں مار سکتا... پورس کے ہاتھی صرف اپنی فوجوں کو کچل سکتے ہیں۔

ایوب خاں کی آمریت سے ہم چھٹکارا پا چکے ہیں لیکن اس

مشترکہ دشمن کے خلاف بے اصول اتحاد ممکن نہیں

کے خلاف لڑتے ہوئے جن ماؤں کے لال اور بہادر سپوتوں نے جان دی اور ملک کو آمریت سے نجات دلائی۔ اگرچہ ان کے لہو کے ایک قطرے کا بھی احسان چکانا ممکن نہیں ہے مگر ممنونیت کا اظہار ضروری ہے۔ سب سے پہلا کام یہ کیا جانا چاہیے کہ ان عظیم شہداء کے لواحقین کو فوری مالی امداد دی جائے۔ ۲۳ مارچ کے موقع پر ان شہیدوں کے ورثاء کو قومی اعزازات سے نوازا جائے۔ اگر ضروری ہو تو نشانِ جدوجہد یا نشان جمہوریت کا تمغہ دیا جائے اور پھر ان شہیدوں نے جہاں کہیں جامِ شہادت نوش کیا وہاں ان کی یادگاریں تعمیر کی جائیں۔ یہ تمام اقدامات ہماری عقیدت کا وہ اظہار ہوں گے جو ایک زندہ قوم اپنے شہیدوں سے کرتی ہے ؎

شہیدوں کے مزاروں پہ لگیں گے ہر برس میلے
وطن پہ مٹنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا

ابتدا پنجاب کے دل لاہور کے "چوک شہیدؐ" سے ہونی چاہیے کہ اس شہر میں ایوبی آمریت کا برج اُلٹنے کی ابتدا ہوئی تھی

٭ ٭ ٭

مشہور افسانہ نگار سعادت حسن منٹو مرحوم کی رہائش گاہ کے بالمقابل احمد مینشن ہے جہاں افروایشیائی استحکام نامی تنظیم کا دفتر ہے جس کے منتظم جناب ملک معراج خالد ایم این اے ہیں۔ اسی دفتر میں عوامی فکری محاذ کی نشست میں ہر جمعہ کو سہ پہر کے بعد کسی نہ کسی ملکی یا بین الاقوامی سیاسی یا علمی موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ عوامی فکری محاذ نے ماضی قریب میں نہایت مفید کام کیا ہے پہلے پہلے شک کیا گیا کہ محاذ بنیادی طور پر سی آر نیپ کے موقع پرست ٹولہ کے زیر اثر ہے مگر محاذ کے کنوینر حکیم مختار الحسینی نے بائیں بازو کی تمام تنظیموں کو دعوتِ فکر دے کر نہ صرف قریب لانے کی کوشش کی بلکہ مذکورہ بالا شک کو بھی کافی حد تک دور کر دیا۔ اس طرح فکری محاذ مختلف الخیال ترقی پسندوں کا ایک میٹنگ کارنر بن گیا۔

اس بار جزوی طور پر ہمیں بھی محاذ کی "جمعہ وار" نشست میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ اس وقت جناب مختار الحسینی تقریر کر رہے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ پاکستان کے حالات کے پیش نظر بین الاقوامی سوشلسٹ بلاک کے اختلافات کو جوں کا توں رہنے دیا جائے۔ اور سامراج کے خلاف جو جنگ لڑی جا رہی ہے اس میں ترمیم پسندی یا سوشل سامراج وغیرہ کو موضوع نہ بنایا جائے۔ اس کے برعکس نوائے طلباء کے جنرل سیکرٹری جناب صدیق اظہر نے فرمایا کہ ترمیم پسندی کسی طرح بھی امریکی برطانوی سامراج سے کم خطرناک نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ امریکی سامنے موجود ہیں، جب کہ ترمیم پسند ہماری آزادی کی سپاہ میں بیٹھ کر سامراجی قوتوں کے لئے راہ ہموار کر رہی ہے اور اگر محض "مشترکہ دشمن" کے خلاف "بے اصول اتحاد" ممکن ہوتا تو ماؤزے تنگ جیسے عظیم مفکر اور سیاستدان کو ترمیم پسندی کو ننگا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ترمیم پسندی وہ کوڑھ ہے جو بین الاقوامی سامراج دشمن تحریک کو اگر لگ گیا تو یہ تحریک کبھی اپنی منزل نہیں پا سکتی مستقبل قریب میں اردن کے مسئلہ پر روسی کیمپ نے جو معجزے دکھائے ہیں وہ تمام ممالک کے آزادی پسند اور سامراج دشمن لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ ہم پاکستان کو اردن یا مصر ہرگز نہیں بننے دیں گے۔ دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھنا ہر انقلاب دوست کا فرض ہے۔

اس مباحثے میں مرزا ابراہیم، لیبر پارٹی کے مسٹر خورشید، این۔ ایس۔ ایف اور این ایس او کے طلباء کے علاوہ لاہور کے چیدہ چیدہ بائیں بازو کے ورکر بھی شامل تھے۔ اگرچہ اس موضوع پر دونوں آراء کے حق میں دلائل ملتے ہیں مگر رجحان یہی تھا کہ ترمیم پسندی کو عوام سے چھپانا نہ صرف خطرناک ہے بالکل عوامی جدوجہد سے غداری کے مترادف ہے۔ پاکستان کے مخصوص حالات کا سہارا لینا بھی ترمیم پسندی ہی کی ایک شکل ہے۔ پاکستان سامراج دشمن تحریک میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ بالخصوص ایشیا میں پاکستان کا کردار دن بدن نکھرتا جا رہا ہے، جس کی عملی تائید چین حکومت کا وہ بیان ہے کہ چین کبھی حکومت پاکستان کو یہ نہیں کہے گا کہ وہ امریکہ سے تعلقات ختم کر لے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیان چین کی حکومت کی اس دور اندیشی پر مبنی ہے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں اور پاکستان کے عوام دنیا بھر کی مظلوم اقوام کی جنگ آزادی میں ان کے حامی و ناصر ہیں ... بلکہ ایشیا میں ان کا کردار کافی نمایاں اور قابلِ تقلید ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ سوشل سامراج کے عزائم سے کروڑوں انقلابی عوام کو غافل رکھا جائے۔

٭ ٭ ٭

ایوب آمریت کے خلاف جدوجہد کا آغاز پاکستان کے عظیم انقلابی طلباء نے کیا تھا۔ مگر یہ امر کس درجہ باعثِ افسوس ہے کہ آمر کے خلاف جان کی بازی لگانے والے ان جیالوں کے سر پر آج بھی یونیورسٹی آرڈیننس کی ترمیم شدہ تلوار لٹک رہی ہے۔ یہ وہ تلوار ہے جس پر طلباء کے لہو کے چھینٹے صاف نظر آ رہے ہیں۔ لاہور کے طلباء میں اس آرڈیننس کے "باقیات و صالحات" آجکل موضوع بحث بنے ہوئے ہیں اور وہ درست طور پر چہ میگوئیاں کر رہے ہیں کہ اگر ون یونٹ توڑنے کا اعلان ایک مارشل لاء کے ضابطہ کے تحت ممکن ہے تو عبوری حکومت نے آج تک طلباء کے اس اہم مطالبہ کی طرف توجہ کیوں نہیں کی۔ ممکن ہے حکومت اہم دستوری ڈھانچے کی تکمیل اور انتخابات کے انتظام میں مصروفیت کی بنا پر طلباء کے اس اہم مطالبے پر کہ یونیورسٹی آرڈیننس منسوخ کیا جائے توجہ نہ دے سکی ہو۔ بہر حال اب مزید تاخیر حساس طلباء کے ذہنوں کو پریشان کر رہی ہے۔ اس لئے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ یونیورسٹی آرڈیننس کو

انقلابی طلبہ
آمریت کے خلاف
جدوجہد
کا ہراول
دستہ تھے

کمیونسٹوں نے مہاجروں کی بحالی کے لئے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں

ختم کیا جائے ... بلا تاخیر۔

٭ ٭ ٭

قہوہ خانوں میں بیٹھ کر انقلاب کی باتیں کرنے والوں نے آجکل مال روڈ کے ہر ہوٹل کو رونق بخش رکھی ہے۔ ہر میز پر کمتھئی رنگ کی چائے کی پیالیوں سے اٹھتی ہوئی خوشبو نے نئے نئے خیالات جذبات اور منصوبہ جات کو ہوا دے رکھی ہے ادھر بارش نہیں ہو رہی ادھر یہ دانشور لوگ اس فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ پاکستان میں جب جمہوریت کی بحالی ہو رہی ہے تو کیوں نہ ایک عدد کمیونسٹ پارٹی بنانے کا اعلان فرما دیا جائے۔ مضائقہ بھی کیا ہے؟ خاصی چونکا دینے والی بات ہو گی اس کی پبلسٹی کا کام اچھرہ پارٹی اور ان جیسے دیگر "سامراج پسند" خود بخود سنبھال لیں گے کہ بھٹو صاحب کی "سوشلزم" کو گھر گھر پہنچانے میں ان حضرات کی کوششیں کافی کامیاب ثابت ہوئی ہیں۔ بالخصوص تین صد اور تیرہ علما کے فتوے نے جو بر وقت امداد پہنچائی تھی کمیونسٹ پارٹی کے سلسلہ میں امید رکھنی چاہئیے کہ فتوے والے مولوی صاحبان تعداد میں بھی زیادہ ہوں گے۔ اور انشاء اللہ "کفر کفر" کر کے اسے جلدی سے جلدی عوام کے دروازوں تک بخیریت پہنچا دیں گے۔

ہوٹل میں کمیونسٹ پارٹی بنانے والے دوستوں کا استدلال یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی اگر کوئی خطرناک شے ہوتی تو قائداعظم بلا تاخیر اس پر پابندی لگاتے اس پر پابندی نہ لگانے کا مفہوم یہ ہوا کہ قائداعظم جو اس ملک کے قانونی اور آئینی سربراہ بھی تھے۔ جمہوریت کے ارتقا کے لئے کسی پارٹی پر پابندی لگانے کے حق میں نہ تھے ـــــ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور احرار کی لیگ مخالفت کے باوجود یہ پارٹیاں موجود رہیں اور ان کے رہنمایان قائداعظم کی زندگی ہی میں پاکستان چلے آئے تھے۔ مسلم لیگ یا قائداعظم کی آمد پر کوئی پابندی نہ لگائی۔ جہاں تک بین BAN کا تعلق ہے تو اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایوب خان نے ساری پارٹیوں پر "تالہ بندی" کر دی تھی۔ ان دانشوروں کی دلیل یہ بھی ہے کہ کمیونسٹ پارٹی انڈیا میں کام کر رہی ہے اور اس کی وجہ سے ہندوستان کی جمہوریت کو کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا۔ بھٹو، مودودی، بھاشانی وغیرہ تو اس پارٹی کی بحالی کے لئے بھی کہہ چکے ہیں ـــــ اسی حلقے کا موقف ہے کہ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کو ۱۹۵۴ء میں امریکہ کے دباؤ کے تحت بین کیا گیا تھا ـــ اور یہ پاکستان میں جمہوریت پر کسی بیرونی طاقت کا پہلا حملہ تھا! یہ اس دور کی بات ہے جب امریکہ نے پرانی کرم خوردہ گندم کے ساتھ وزیراعظم بھی واشنگٹن سے سپلائی کرنے کا آرڈر بک کیا تھا!! کامل جمہوریت کا مطلب ہے ہر فرد اور گروہ کو اپنا پروگرام پیش کرنے کی آزادی ... آخری بات جس پر زور دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی نے پاکستان بننے کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ بعض کمیونسٹوں نے تو مہاجرین کی بحالی میں گرانقدر خدمات بھی سرانجام دی تھیں ملکی مسائل پر بے خوف ہو کر رائے زنی کرنا ہر شہری کا حق ہے۔ ہم ان ہوٹل کے انقلابی بھائیوں کو کیا عرض کر سکتے ہیں۔ چونکہ ان میں سے اکثریت شعرا و ادبا کی ہے اس لئے علامہ اقبال کا ایک شعر سنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ باقی وہ جانیں ان کا کام ـــ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی!!
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سردار قیوم کے منتخب ہوتے ہی

مسئلہ کشمیر حل ہو گیا

راولپنڈی ـ ایس ـ ایم سلیمان

راولپنڈی کے سیاسی حلقوں میں آج کل بھارت کا اغوا شدہ طیارہ دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔ سیاسی حلقوں کا خیال ہے کہ کشمیری عوام کو اپنی آزادی کے لئے خود جد و جہد کرنی ہو گی۔ کیونکہ وہ قوم جو آزادی کی خاطر قربانیاں نہیں دے سکتی آزادی کی نعمتوں سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ راولپنڈی کے سیاسی حلقے اس امر پر بھی خوش ہیں کہ بالآخر کشمیری عوام نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ آزادی کے لئے کسی دوسرے پر بھروسہ اور تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مادر وطن کی آزادی کے لئے عملی طور پر مسلح جد و جہد شروع کر دی ہے۔

راولپنڈی کے ان حلقوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ بھارت بزعم خویش دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن وہ کشمیری عوام کو حق خود اختیاری تو در کنار، نام نہاد انتخابات میں بھی آزادانہ ووٹ دینے کا حق نہیں دیتا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس غیر جمہوری اقدام کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں بے چینی اور احتجاج کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ بھارت نے اس احتجاج کا جواب مزید ظلم و ستم کر کے اور مزید خون بہا کر دیا۔ اور پھر اس کے رد عمل کے طور پر برسوں کا دبا ہوا لاوا پھٹ نکلا۔ جو بھارتی طیارے کے اغوا کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اس وقت جبکہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں جمہوریت پسندوں نے سامراج کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تیز و تند جد و جہد شروع کر رکھی ہے، طیاروں کا اغوا نئی بات نہیں ہے۔ اس کا واحد مقصد دنیا کی توجہ اپنے مطالبات کی جانب مبذول کرانا ہوتا ہے۔ کیوبا کے وطن پرست بھی امریکی جور و ستم سے تنگ آ کر امریکی طیارے اغوا کرتے ہیں۔ اسی طرح عرب فدائین نے بھی اسرائیلی جارحیت کو بے نقاب کرنے اور عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا چنانچہ کشمیری عوام نے بھی اب جد و جہد کا یہ راستہ جان لیا ہے۔

راولپنڈی پیپلز پارٹی کے قریبی حلقے صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم کے اس بیان پر شدید نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ جس میں انہوں نے حریت پسندوں کے اس اقدام پر تنقید کی ہے۔ ان حلقوں کا کہنا ہے، کہ سردار عبدالقیوم نے کشمیری عوام سے ووٹ محض اس وعدے پر حاصل کئے تھے کہ وہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لئے اپنی جد و جہد تیز تر کر دیں گے۔ ان حلقوں کا کہنا ہے کہ اب جبکہ وہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو چکے ہیں۔ شاید ان کی نظروں میں مسئلہ کشمیر حل

ہو چکا ہے۔

یہ حلقے سردار صاحب سے ان کے تبصرے کے بعد سوال کر رہے ہیں کہ گذشتہ ۲۳ سال سے دونوں ملکوں کے تعلقات خوشگوار ہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ مسٹر بھٹو نے بھی کئی مرتبہ کہا ہے کہ دونوں ممالک کے تعلقات خراب ہونے کی واحد وجہ مسئلہ کشمیر ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو دونوں ممالک کے تعلقات خوشگوار ہو سکتے ہیں۔ وگرنہ اس کی دوسری صورت صرف یہی ہے کہ ہم کشمیری عوام کی آزادی کی حمایت ترک کر دیں۔ اور مقبوضہ کشمیر پر بھارت کے قبضے کو تسلیم کر لیں۔ اس طرح یہ مسئلہ متنازعہ فیہ نہیں رہے گا۔ اور دونوں ممالک کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے۔ لیکن ان حلقوں کا کہنا ہے کہ کوئی بھی طاقت خواہ وہ صدر آزاد کشمیر کیوں نہ ہو، بھارت کے حملے کا ہوا دکھا کر پاکستانی عوام کو کشمیری حریت پسندوں کی حمایت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ پاکستانی عوام کشمیری حریت پسندوں کی ہر طرح کی امداد کے لئے دل و جان سے تیار ہیں۔۔

نواب اور سردار کرسیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے

ڈیرہ غازی خان ——— حبیب اللہ خان

ڈیرہ غازیخاں کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ خطۂ ارض ہے کہ جہاں عرصۂ دراز سے نوابوں، تمنداروں اور سرداروں کی حکومت چلی آ رہی ہے اور انہیں ہر دور میں حکومت کی تائید و حمایت حاصل رہی ہے۔ جس کے بل بوتے پر انہوں نے ہمیشہ یہاں کے لوگوں کو تختۂ مشق بنائے رکھا۔ اس ضلع میں غربت و افلاس کے ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ جن کا تصور بھی اس ترقی یافتہ دور میں ممکن نہیں ہے۔ یہاں کی کثیر آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اور کچھ لوگ پہاڑوں کے دامن میں بسر اوقات کر رہے ہیں۔ اس ضلع میں طبی اور تعلیمی سہولتیں تو درکنار پینے کا پانی بھی میسر نہیں۔ اکثر علاقوں میں بارش کا پانی گڈھوں میں اکٹھا کر کے مدتوں تک کام میں لایا جاتا ہے۔ برسات کے موسم میں یہ علاقے اپنے مرکز (ڈیرہ غازیخاں) سے مکمل طور پر کٹ جاتے ہیں۔ چونکہ رود کوہی کے باعث مہینوں تک لوگوں کی آمد و رفت کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ سیم اور تھور کے باعث بہت سی زرعی زمینیں ناقابل کاشت ہو چکی ہیں۔ فاقہ و بدحالی یہاں کے کسان کا مقدر بن چکی ہے۔ چونکہ سال کے اختتام پر شقی القلب جاگیرداران کی سب محنت لوٹ کر چلے جاتے ہیں تاکہ ان کی عیش و عشرت میں کوئی فرق نہ آئے اور یہ استحصال زدہ کسان، مزدور اپنا حق مانگنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

ان نوابوں اور سرداروں نے اپنے مخصوص سیاسی مفادات اور بالادستی کے لئے اس علاقہ کے لوگوں کو ہمیشہ سے پسماندہ رکھا ہوا ہے۔ یہاں کی کثیر آبادی ناخواندہ ہے۔ اوّل تو اتنے وسائل ہی میسّر نہیں کہ تعلیم کے بھاری اخراجات برداشت کر سکیں اور اگر کوئی کنبہ مصائب زمانہ کا مقابلہ کر کے اپنی اولاد کو تعلیم دلاتا ہے، نہ تو اس کے پاس سفارش ہوتی ہے کہ اچھی ملازمت حاصل کر سکے اور نہ ہی معاشرہ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ چونکہ وہ کسی سرمایہ دار یا جاگیردار کے گھر پیدا نہیں ہوا۔ یہاں مزدوری کی شرح اتنی کم ہے کہ یہاں کا مزدور تمام دن محنت کرنے کے باوجود صرف تین روپے اجرت حاصل کرتا ہے جس سے اس کے کنبہ کو ایک وقت کی روکھی سوکھی روٹی بھی میسّر نہیں آ سکتی۔ غرض کہ اس علاقہ کے لوگ انتہائی مفلوک الحال ہیں۔ نہ تو کوئی صنعت ہے اور نہ ہی کوئی کارخانہ۔ لوگ بے روزگار ہیں اور نانِ شبینہ کے محتاج!

بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ترقی پسند اور معاشی انصاف کے علمبردار قائدین نے اپنی انتخابی سرگرمیوں کے دوران اس ضلع کو جو کہ غالباً پورے مغربی پاکستان میں رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔ قطعی طور پر فراموش کر دیا۔ اور اس علاقہ کے لوگوں کے سیاسی تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی وہی نواب اور سردار اپنی کرسیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اگر اب بھی اس علاقہ کو عہد ماضی کی طرح فراموش کر دیا گیا تو یہ سراسر ناانصافی ہو گی اور اُسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

جدوجہد، جدوجہد

تحسین سروری

ابھی شعور نے طے کی ہے ایک ہی منزل
یہ دار و گیر کا عالم ہے، انقلاب نہیں

جبینِ شب پہ چمکتی ہے کوئی شے، لیکن
یہ آفتاب کا پرتو ہے، آفتاب نہیں

اگر رکھے بھی تو عنوان کیا رکھے کوئی
ورق ورق ہے۔ مکمل ابھی کتاب نہیں

●

کتابوں پر تبصرہ

الف - ص

مکاشفات

تصنیف : حکیم انجم فوقی
ضخامت : ۱۷۶ صفحات
قیمت : ۳ روپیہ
ملنے کا پتہ : ادارہ فوق الادب
جی ۴۴۴ ۵ - کورنگی ، کراچی

یہ کتاب ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مولانا حکیم انجم فوقی نے ناظم ادارہ فوق الادب حافظ مبین احمد بلال اور دیگر اراکین ادارہ کے نام وقتاً فوقتاً تحریر کئے ہیں۔ ان خطوط سے مصنف کی عالمانہ بصیرت ، حیات و کائنات کے ہر مسئلہ پر دلیرانہ اظہار رائے ، اخلاق و انسانیت علم و ادب ، تہذیب و تمدن اور اسلامیات کی تمام آفاقی قدروں پر پُراثر عالمانہ انداز بحث کا پتہ چلتا ہے انجم فوقی قادر الکلام شاعر بھی ہیں اور نقاد بھی۔ وہ درویش باصفا بھی ہیں اور علائق سے بھری ہوئی اس بحرانی دنیا کے عام انسان بھی۔ انہوں نے ہر حیثیت سے مختلف انسانی مسائل کا بڑی دقت نظری کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ اس مجموعہ مکاتیب کے ذریعہ مولٰینا انجم فوقی کی آزاد فکر اور منصفانہ رائے قائم کرنے کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے جو اس دور کے بیشتر علماء میں ناپید ہے۔ انہوں نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں اہل سنت کانفرنس میں اس لئے شرکت نہیں کی کہ یہ مسلم کانفرنس نہیں تھی۔ بلکہ مخصوص گروہ علماء کا اجتماع تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں بلاشبہ جماعت اسلامی کا ایک فرد ہوں۔ لیکن اسلامی سے میری مراد مسلم معاشرہ ہے مولانا مودودی کی جماعت نہیں۔

مکاتیب میں جگہ جگہ ایسی چونکا دینے والی اور سب سے الگ تھلگ رائے ملتی ہے۔ مختصر اور جامع انداز میں انہوں نے کائنات کے مختلف اسرار پر فلسفیانہ نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے سیاسی انداز فکر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ مگر سیاست سے ہٹ کر ادب و فلسفہ اور شعائر اسلام پر جو اظہار خیال انہوں نے کیا ہے وہ فکر انگیز ضرور ہے۔ کتاب کی کتابت معمولی اور طباعت گھٹیا ہے۔

رُت کی پکار (افسانے)

مصنف : احسان ملک
ضخامت : ۱۸۰ صفحات
قیمت : ۵ روپے
ناشر : تخلیق مرکز ۲۳ اے
شاہ عالم مارکیٹ لاہور

بہت عرصے بعد خوبصورت مختصر افسانوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ جس کے افسانہ کی "تابناک" وا ہوتی کے دریچے کھلتے نظر آتے ہیں۔ احسان ملک نے اپنے ان اٹھارہ مختصر افسانوں میں زندگی کی جیتی جاگتی حقیقتوں کا احاطہ بڑی خوبصورتی اور چابکدستی سے کیا ہے۔ ان افسانوں میں عصر حاضر کے تقاضوں کا بڑا بھرپور شعور ملتا ہے۔ شگفتہ اسلوب۔ توانا طرز بیان پلاٹ کا انوکھا پن اور خالص پاکستانی تہذیبی پس منظر ان افسانوں کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جو آج کے دور کے افسانہ نگاروں میں کم ہی ملتی ہیں۔ احسان ملک موقع محل کے مطابق پیرایہ اظہار پہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور وہ فن کی اس باریکی سے بخوبی واقف ہیں۔

یہ افسانے مروجہ تمدنی اور معاشی نظام کی چیرہ دستیوں کے خلاف فنکارانہ احتجاج ہیں اور احسان ملک اس ظلم و زیادتی کو بڑے خوبصورت پیرائے میں اپنے افسانوں کی فضا کے ذریعہ اور انسانی احتجاج کو فنکارانہ کردار نگاری کے ذریعہ اس طرح اجاگر کرتے ہیں کہ افسانہ پڑھنے کے بعد دیر تک تاثر قائم رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے تانے بانے گرد و پیش کے کرداروں ہی کے ذریعہ بنے ہیں۔ جو زندگی سے بہت قریب بلکہ خود بہت زندہ تابندہ کردار ہیں۔ "برسات" اور "رُت کی پکار" احسان ملک کے بہترین افسانے ہیں۔ افسانہ ٹورسٹ میں کرداروں کے عمل اور ردعمل سے بڑی خوبصورت فضا تیار کی گئی ہے۔

ڈھاکہ میں امریکی قونصل جنرل کی پُراسرار سرگرمیاں

صفحہ ۲ سے آگے

ے دونوں حصوں میں زبردست احتجاج کریں گے۔ ملک کی خارجہ پالیسی میں امریکہ کی طرف جھکاؤ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ڈھاکہ کے با اثر حلقے گواہ ہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن اور امریکی قونصل جنرل مسٹر بلڈ قریباً روزانہ ہی آپس میں مل رہے ہیں۔ اتنی ملاقاتیں خود شیخ صاحب اور عوامی لیگی کی بھی نہیں ہوتی ہیں۔ آج کل امریکی سفیر فارلینڈ کے مشرقی پاکستان جانے کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہا جاتا ہے شیخ مجیب الرحمان اگر مغربی پاکستان کے عوام کی خواہشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے چھ نکات میں رد و بدل نہیں کریں گے اور مغربی پاکستان کے عوام کی مرضی کو آئین سازی میں شامل نہیں کریں گے تو بہت بڑے ردِ عمل کا خطرہ ہے۔

بین الاقوامی حلقوں میں یہ خبر گرم ہے کہ امریکہ آئینی طور پر مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ پاکستان کے محب وطن حلقوں میں شیخ صاحب کے چھ نکات پر اٹل ہو جانے سے ان خدشات اور وسوسوں کو اور تقویت پہنچ رہی ہے۔ اس لئے مغربی پاکستان میں بالخصوص شدید اضطراب پایا جاتا ہے۔ چھ نکات کے سلسلے میں مغربی پاکستان عوام ان کی واضح تفسیر چاہتے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمان کو خود اس سلسلے میں زحمت کرنی چاہیئے۔ اور انہیں اسمبلی کے اجلاس سے پہلے ایک بار مغربی پاکستان ضرور آنا چاہیئے۔ ورنہ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ شیخ صاحب دار الحکومت مستقل طور پر ڈھاکہ لے جانا چاہتے ہیں۔

صدر یحییٰ بھی کابینہ توڑنے کے بعد اب اسی طرح مکمل اختیارات کے مالک بن چکے ہیں جیسے مجیب اور بھٹو کو ان کی پارٹیوں نے اختیارات دے رکھے ہیں۔ اب ان کے فرائض اور فیصلہ کن ہو گئے ہیں۔ انہیں بھٹو کے علاوہ مغربی پاکستان کے دوسرے لیڈروں کے خیالات بھی معلوم ہو چکے ہیں۔ مغربی پاکستان کے لیڈر اپنے اپنے طور پر شیخ مجیب الرحمٰن سے مل بھی رہے ہیں۔ صدر یحییٰ ممکن ہے کہ شیخ صاحب سے اب پھر بات کریں۔ خیال یہی ہے کہ کسی ایلچی کے ذریعے وہ شیخ صاحب تک مغربی پاکستان کے نمائندوں کی قطعی پوزیشن پہنچا دیں گے۔ اور انھیں چھ نکات کا آئین آنے کے بعد مغربی پاکستان میں جس شدید ردِ عمل کا امکان ہے اس سے بھی آگاہ کریں گے۔ صدر یحییٰ سے پانچ گھنٹے کی گفتگو میں مسٹر بھٹو نے اپنے پرانے مطالبہ کو قطعی زور سے پیش کیا تھا کہ موجودہ کابینہ کو فوراً توڑا جائے کیونکہ ان وزراء کی جانبداریاں اب بھی جمہوریت کی بحالی میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ اور اب کے اس مطالبے کو انھوں نے بالکل قطعی طور پر پیش کرتے ہوئے اپنے کارکنوں کے اضطراب سے بھی آگاہ کر دیا گیا تھا۔ صدر یحییٰ بھی موجودہ بحران کی نزاکت کو سمجھ رہے ہیں اس لئے وہ فوری طور پر قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہ سطور آپ کے سامنے پہنچنے تک ممکن ہے کوئی بہت بڑا واقعہ ہو بھی چکا ہو۔

تینوں طاقتوں کے

تصفیے کا وقت

آپہنچا ہے

اس وقت سامراجی طاقتیں بھی اپنا کردار تیزی سے ادا کر رہی ہیں۔ بھارت کی فوجوں کا اجتماع امریکہ کے ایما کے بغیر نہیں ہے۔ باخبر حلقوں نے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر آئینی مفاہمت میں امریکہ کو اپنے مفادات کی تکمیل نظر نہ آئی تو وہ بھارت کی فوجوں کو کشیدگی بڑھانے کا اشارہ کر دے گا۔ اس کشیدگی سے ایک طرف اندرا کو الیکشن میں مدد ملے گی دوسری طرف پاکستان اقتصادی طور پر مفلوج ہوگا۔ امداد دینے والے ممالک امداد سے ہاتھ کھینچتے جا رہے ہیں کیونکہ وہ کسی بے آئین حکومت کو امداد یا قرضہ دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ سرمایہ دار سونا خرید کر جمع کر رہے ہیں۔ اسٹیٹ بنک کے پاس مطلوبہ تعداد میں سونا نہیں ہے۔ وہ نوٹ چھاپے جا رہا ہے۔ جس سے افراطِ زر کا خطرہ ہے۔ اقتصادی طور پر مفلوج پاکستان ایک بہت بڑا المیہ ہوگا۔

ان حالات کے پیش نظر محب وطن قوتیں حرکت میں آ چکی ہیں اور چونکہ گیند اب شیخ مجیب الرحمٰن کے کورٹ میں ہے۔ اس لئے ۲۸ فروری تک توقع ہے کہ ان کی طرف سے تیسری پارٹی یعنی صدر یحییٰ کو یہ یقین دہانی مل جائے گی کہ بیرونی تجارت اور ٹیکسیشن کے مسئلے پر مغربی پاکستانی نمائندوں کی بات سنی جائے گی۔ اور ممکن ہوا تو رد و بدل بھی کیا جائے گا۔ اس لئے باخبر حلقے مطمئن ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یکم مارچ تک سیاسی کشیدگی اپنی مکمل انتہا کو پہنچنے کے بعد حالات محب وطن قوتوں کے حق میں ہوں گے اور قومی اسمبلی کے اجلاس میں آئین سازی پر بحث شروع ہو جائے گی۔

جامعہ پنجاب کے اسلام پسند پروفیسر کی کہانی

آپ کے ہفت روزہ کی معرفت میں ایک سامراجی آلۂ کار اور عوام دشمن فرد کو عوامی عدالت میں لانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ یہ عوام دشمن حضرات کہیں چور دروازے سے ہم ترقی پسندوں کی صفوں میں بھی نہ آ جائیں اور عوام دشمنی کے باوجود جھوٹی، کسان، مزدور، طالب علم دوستی کی آڑ لے کر عوام غیظ و غضب اور احتساب سے بچ جائیں۔ یہ حضرت مودودی جماعت "مرحومہ" کے کالم نویس۔ سنسر بورڈ کے رکن اور شعبۂ صحافت جامعہ پنجاب کے صدر ڈاکٹر عبدالسلام خورشید ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی عوام دشمن سرگرمیاں یوں تو شروع ہی سے خون کے آنسو رلانے والی ہیں۔ برائے اختصار ایوبی آمریت کے دور ہی سے لے لیجئے۔ اسلام پسند روزنامہ "مشرق" کے کالم نویس کے طور پر انہوں نے ہر ہفتے اپنے کالموں میں صدارتی نظام اور اس کے حوالے سے قائم شدہ نام نہاد "سیاسی استحکام" کی قصیدہ سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اور ہر مخالف سیاسی سرگرمی کو ملک دشمن قرار دیا۔ ایوبی فلسفہ کے مطابق قوم کو جمہوری لحاظ سے جاہل ہونے کی سند عطا کی۔ نوکر شاہی اور ظلم و استبداد کی ضرورت کے لئے جواز تراشے (معاوضہ کے طور پر فلک بوس ایوانوں میں کھلی آمد و رفت اور پُراسرار دولت پائی) ۱۹۶۸ء میں ایوبی آمریت کے خلاف کسان، مزدور اور طلباء کی فقید المثال تحریک کو بغاوت قرار دیا اور اسے لاٹھی، گولی اور کال کوٹھڑیوں کے ذریعے کچلنے کی کوشش کو جائز ثابت کرنے کی سعی کی، پھر گول میز کانفرنس کو ایوب خاں کے احسان پر محمول کیا۔ قوم کی غیرت کا سودا کرنے والے اور حالیہ قومی انتخابات میں منہ کی کھانے والے نام نہاد اسلام پسندوں کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے غیر شرعی "سیاسی نکاح" کے موقع پر سرکاری درباری سہرے لکھے۔ شامل نہ ہونے والوں کو قوم کے دشمن اور غیر ملکی نظریات کے حامل ناپسندیدہ عناصر قرار دیا۔ اسی دوران ایوب کے پروردہ اسلام پسندوں کی گڈی چڑھی تو امریکی برطانوی سامراج کے پروردہ پاکستانی اخبارات کے مطابق بدلتے ہوئے مستقبل کا نقشہ دیکھتے ہوئے آپ بھی جھٹ پٹ مشرف بہ اسلام پسند ہو گئے۔

حالیہ مارشل لاء کے ابتدائی ایام میں پیشہ ورانہ معمول کے مطابق آپ نے قوم کے جمہوری مزاج کا مذاق اڑایا، اور ارشاد فرمایا کہ ہماری قوم جمہوریت کی اہل ہی نہیں۔ اس رویئے میں جو نفسیات مضمر ہے وہ اتنی مبہم نہیں کہ تشریح کی محتاج ہو۔ لیکن کچھ دیر بعد صدر یحییٰ کی جانب سے قوم کی جمہوری فہم فراست اور پاکستان میں اس کی اشد ضرورت کے اقرار کے بعد جمہوری حقوق لوٹانے کا وعدہ قوم کے جمہوری شعور کا مذاق اڑانے والے ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے منہ پر طمانچہ ثابت ہوا۔ لیکن درباری ذہنیت پھر بھی برقرار رہی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے مودودی جماعت کی فکری و قلمی ملازمت اختیار کی۔ اور بقول ہفت روزہ شہاب مودودی کے "بغل بچے" ہونے کا تمغہ حاصل کیا۔ تب سے سات دسمبر سے پہلے تک آپ کفر و اسلام کے مابین جنگ کی "کمنٹری" کرتے رہے۔ اب ان کے آقاؤں کی ٹیم بری طرح وکٹ آؤٹ اور کیچ آؤٹ ہو گئی ہے۔ تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس وقت بوکھلاہٹ کے عالم میں چڑھتے سورج کے روبرو ہونے کے حیلے وسیلے تلاش کر رہے ہوں گے۔ اور اس کا اظہار وہ اپنے کالموں میں شروع کر دیں گے۔

بہرحال ان کے سابقہ کردار کو سامنے رکھتے ہوئے وثوق سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ عوام کے مجرم ہیں۔ اور کئی لحاظ سے مجرم ہیں۔ بحیثیت صدر شعبۂ صحافت انہوں نے ترقی پسند طلباء پر جس طرح ظلم کئے وہ ترقی پسند پریس کے ذریعے سب کے سامنے آ چکے ہیں۔ آج بھی ایسے طالب علم موجود ہیں جو خود بتا سکتے ہیں کہ ان کی گرفتاریوں کے لئے اور پولیس کی خفیہ خبر رسانی کے سلسلے میں خورشید صاحب کا کیا کردار رہا ہے۔ یونیورسٹی میں امریکی اور جماعت مودودی کی سازشوں کو بے نقاب کرنے پر طلباء جانتے ہیں کہ عبدالسلام خورشید نے کس کس امریکی شعبہ جات کے سربراہوں سے مل کر مولانا کوثر نیازی کو گرفتار کروانے کے منصوبے بنائے۔ اور ان پر امریکی برانڈ طلباء سے مل کر کس طرح عمل کروایا۔ شعبہ صحافت میں جماعت "مرحومہ" کی بھیجی ہوئی فہرست کے مطابق طلباء کے داخلے اور یونین سازی کوئی ڈھکی چھپی سازش نہیں۔

اخباری انتظامیہ کے باب میں جھانکئے تو پریس ٹرسٹ کے بے روزگار کئے ہوئے پی ایف یو جے کے پرچم تلے جدوجہد کرنے والے عظیم صحافی گواہ ہیں کہ پریس ٹرسٹ کی انتظامیہ کو صحافی کارکنوں کے اخراج کے طریقے بتانے میں بطور مشیر ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کا کتنا ہاتھ ہے۔ ٹیلی ویژن میں طبقاتی آویزش اور معاشرہ کی اصل استحصالی صورت حال کی عکاسی کرنے والے ڈراموں کو بند کرانے میں ان کی بے مثال خدمات سے کون واقف نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ طبقاتی جدوجہد کو آپ ہمیشہ خلاف اسلام اور خلاف پاکستان قرار دیتے رہے ہیں۔ تاکہ مزدور و کسان امریکی سامراج کی چکی میں پستے رہیں۔ ایسی ہی خدمات کا نتیجہ ہے کہ آپ "مشرق" اور ہفت روزہ "اخبار خواتین" سے بڑی رقوم وصول کرتے ہیں۔ فلمی امور میں سوجھ بوجھ نہ رکھتے ہوئے بھی سنسر بورڈ کے رکن ہیں اور ٹیلی ویژن میں باقاعدہ پروگرام بھی حاصل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنے کالموں میں کفر و اسلام کے فرضی معرکوں میں اسلام پسندوں کی کھل کر حمایت کرتے رہے ہیں۔ بارہا بھٹو اور مجیب پر کیچڑ اچھال چکے ہیں اور ان پر دشنام طرازی کرتے رہے ہیں۔ عوام دشمنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس کے باوجود یہ یقینی امر ہے کہ اب وہ چور دروازے سے عوامی صفوں میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ سات دسمبر کے نتائج وہ دیکھ چکے ہیں۔ وہ عوامی غیض و غضب سے بچنے کی انتہائی کوشش کریں گے اور معاشی اصلاحات کا ڈھنڈورا بھی پیٹیں گے۔ مجیب اور بھٹو کی یوں تعریفیں کریں گے جیسے وہ ان کی تحریکوں میں ویسے سپاہی کا کردار ادا کر رہے ہوں۔

ہم نے پہلے ہی امریکی سامراج اور اس کے حواری رجعت پرست سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے اتنے زخم اور فریب کھائے ہیں کہ مزید کی گنجائش نہیں۔ اگر عوام کے مجرموں کو ہم نے پناہ دے دی تو پھر ہم عوام دوست کیسے کہلا سکیں گے اس لئے یہ ہم پر واجب ہے کہ جس جس عوامی مجرم کا علم ہو اسے عوامی عدالت میں پیش کریں۔ ورنہ پاکستان کی انقلابی تحریک سے ناانصافی ہوگی۔

(ریاض نجاری جامعہ پنجاب)

بقیہ: جامعہ کراچی میں اسلامی انقلاب

طلبہ وطالبات وائس چانسلر کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے اس کی برطرفی کا مطالبہ کرتے رہے۔ لڑکیوں کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ لڑکوں سے زیادہ آگے تھیں۔ ایک طالبہ لہولہان لڑکوں کے سروں سے خون بہتا دیکھ کر اپنے اوپر قابو نہ پاسکی۔ اور پتھروں کے اس سیلاب کی طرف چیختی ہوئی دوڑی۔ لیکن اسے لڑکوں نے زبردستی روک لیا۔ اور آگے نہیں بڑھنے دیا۔ ایک اور لڑکی نے شدت جذبات سے چیخ کر کہا ——

"اس خون کی قسم —— اب اس سرخی کو بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں اپنے سارے سبز کپڑے جلا کر راکھ کر دوں گی —— میں سرخ ہوں —— جامعہ سرخ ہے —— ایشیا سرخ ہے"

ایک زخمی لڑکے کو مرہم پٹی کرنے کے لئے لے جایا جانے لگا تو اس نے بڑے عزم سے کہا "ہمارے جسموں کا یہ خون ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونے کے لئے بنتا ہے۔ اسے اسی طرح بہنے دو"

شام کو این ایس ایف کے سینکڑوں طلبہ وطالبات پیپلز پارٹی کے مرکزی سیکرٹریٹ میں پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے دی سی کے خلاف نعرے لگائے اور عوامی رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ طلبہ دشمن، عوام دشمن وائس چانسلر کے خلاف عوامی مہم کی رہنمائی کریں پیپلز پارٹی کے عبدالحفیظ پیرزادہ نے اس سلسلے میں واضح موقف کا اعلان کیا۔ اور وی سی کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں دوسرے روز صبح گورنر سندھ سے بھی ملاقات کی۔ جس میں ان پر زور دیا کہ اشتیاق حسین قریشی جیسی متنازعہ شخصیت کو وائس چانسلر جیسے منصب پر برقرار رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ گورنر سندھ نے اس سلسلے میں سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ مسٹر پیرزادہ نے یونیورسٹی کو بند کرنے کی سازش کے خلاف بھی احتجاج کیا۔ اور ان کے زور دینے پر یونیورسٹی جسے وائس چانسلر نے اپنے خلاف چلائی جانیوالی طلبہ کی تحریک سے بچنے کے لئے دو ہفتہ کے لئے بند کر دیا گیا تھا، ایک دن کے بعد دوسرے روز ہی کھول دی گئی۔

بھٹو صاحب نے بھی اشتیاق حسین قریشی کو نکس اپ کرنے کا مطالبہ کیا۔ ان کا یہ جملہ خصوصاً بڑی شہرت حاصل کر گیا ہے کہ ہماری حکومت آئی تو وہ بھی سیدھا دکھنے لگیں گے۔

مسٹر بھٹو کے اس بیان نے رجعت پسندوں کے حلقے میں جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ وی سی کے خلاف یونیورسٹی کے طلبہ کے بے مثال جوش وخروش سے بوکھلائے ہوئے یہ حلقے اپنے اخبارات میں اس کی "پرزور مذمت" میں ایڑیوں تک کا زور صرف کر رہے ہیں۔ ان کے وہ بقایاجات جو کسی نہ کسی طرح اسمبلی میں پہنچ گئے ہیں اور رجعت پسندوں کے ہر درد کی دوا بنے ہوئے ہیں، اس سلسلے میں بیانات کا طومار باندھے ہوئے ہیں۔

اس سے پہلے بھٹو صاحب کے بیان نے بعد کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ۱۹ فروری کو ایک مقامی روزنامے کے دفتر میں، اس دفتر کے ایک جونیئر سب ایڈیٹر کی صدارت میں جو کہ شومئی قسمت سے اسمبلی میں بھی جا پہنچے ہیں۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے بڑوں کا اجلاس ہوا۔ اور یہ سارے بیانات اسی اجلاس کے فیصلے کا نتیجہ تھے۔ ٹرسٹ کے ایک اردو روزنامے کے صحافی جو "نابالغ دوشیزہ" کے نام سے معروف ہیں، جمعیت کے لڑکوں کو اپنی قسطوں والی اسکوٹر پر بٹھائے بیانات حاصل کرتے رہے۔ کچھ بیانات خود بنا کر مختلف ناموں سے شائع کرائے گئے۔ لیکن یہ معصوم "اسلام پسندے" جو خیالی جنتوں سے ابھی تک باہر نہیں نکلے ہیں، شاید یہ نہیں جانتے کہ عوامی سیلاب کے سامنے بیانات کے بند نہیں باندھے جا سکتے۔ ۷ اور ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کے بیانات بھی انہیں خوش فہمیوں کے جال سے باہر نہیں نکال سکے ہیں۔ لیکن اب انہیں یہ نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیئے کہ وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی فوری برطرفی کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

جامعہ کے انتخابات میں جو کچھ ہوا ہے اس کے بارے میں ایک تفصیلی اور تحقیقی رپورٹ ہم آئندہ شمارے میں شائع کریں گے۔

بقیہ: مشرقِ وسطیٰ

کے خلاف کھول رکھا ہے، دوسرا محاذ وہ ہے جو کہ اردن کے مرتضے دایان نے ان کے خلاف کھول دیا ہے۔

اس وقت جبکہ فلسطینی مجاہدین کو دو طرفہ جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ روسی ترمیم پسندوں نے عرب وفاق پر آہستہ آہستہ دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے کہ وہ فلسطینی عوام کے موقف کو نظر انداز کر کے اسرائیل کے ساتھ سمجھوتہ بازی شروع کر دے۔ چنانچہ جنگ بندی کی مدت میں ایک ماہ کی توسیع منظور کر دینے اور مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیلی فوجوں کی جزوی طور پر انخلار کی تجویز پیش کر دینے کے بعد ڈاکٹر انور السادات نے یہ سعادت مندی بھی دکھائی ہے کہ مصر کی حکومت نہر سویز کو عام جہاز رانی کے لئے کھول دے گی۔ امریکہ کے وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ اسرائیلی حکومت انور السادات کے اس بیان میں خاصی دلچسپی لے رہی ہے۔

یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ موجودہ عرب حکومتیں فلسطینی عوام کے موقف کو نظر انداز کر کے اسرائیلی حکومت کے ساتھ سمجھوتہ بازی پر رضامند ہو جائیں۔ مگر ہم پیشن گوئی کرتے ہیں کہ ان کے اس اقدام سے عرب حکومتوں اور عرب عوام کے درمیان چھپا ہوا تضاد معاندانہ شکل اختیار کرے گا۔ کیوں کہ فلسطین کی آزادی کا مطالبہ اب صرف فلسطینی عوام کا مطالبہ نہیں رہا۔ یہ مطالبہ اب پوری عرب دنیا کا مطالبہ بن گیا ہے اور اسے دنیا بھر کی انصاف پسند قوتوں کی تائید و حمایت حاصل ہے۔

روزنامہ **الفتح** کراچی

کے سلسلے میں اہم

اعلان

قارئین کرام اور ہمارے اکثر احباب نے اصرار کیا ہے کہ

روزنامہ **الفتح** کراچی

کے کم سے کم شیئر کی قیمت دس ۱۰ روپے مقرر کر دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس نیک مہم میں حصہ لے سکیں

اس سلسلے میں ضروری کاغذات تیار کئے جا چکے ہیں۔ جو احباب یہ حصص خریدنا چاہتے ہیں وہ اس پتے پر

منی آرڈر، چیک، ڈرافٹ بھیج کر شیئر خرید سکتے ہیں۔

تمام عوام دوست طاقتوں سے تعاون کی توقع ہے

پتہ یہ ہے

الفتح مطبوعات۔ ۸۷ ڈی نرسری کمرشل ایریا۔ کراچی

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
25 FEB – 4 MARCH, 197[illegible]



تعلیمی اداروں کے انتخابات میں بھی بلا کا جوش و خروش پایا گیا